نقشِ ثانی

انتخابِ کلامِ برتر

۹ -

محمد نادر علی برتر

یادگارِ غالب

بار اول	:	دو ہزار
سن اشاعت	:	مارچ ۲۰۰۰ء
کتابت	:	مرزا غیاث الدین بیگ، جینئیس گرافکس، پھتہ باز
طباعت	:	اعجاز پرنٹنگ پریس، پھتہ بازار۔ حیدرآباد
قیمت	:	۱۲۵ روپیے

ملنے کے پتے

- ادارہ ادبیات اردو (ایوان اردو) پنجہ گٹہ، حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۰۴
- ادبی ٹرسٹ بک ڈپو، حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۰۱
- اقبال علی عروجؔ

مکان نمبر: IC_160 ارم منزل کالونی، حیدرآباد۔ ۴۸۲

Ph: 3316043



مُحمّد نادر علی برتر
یادگارِ غالب

سرِ ورق

سلطنتِ مغلیہ پارہ پارہ ہوچکی سنہ ۱۸۵۷ء اپنی تمام تر تخریبی سرگرمیوں کے ساتھ شباب پر تھا۔ در ہائے نایاب بکھر چکے تھے۔ اہلِ کمال در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے بھٹک رہے تھے۔ بڑے بڑے پر غرور سر زمانے کی روش سے ہراساں تھے۔ ایک حشر سامانی ہر طرف نمایاں تھی۔ ایک قیامت تھی جو برپا تھی۔ کسی نے جبریہ قانونِ وقت کا سہارا لے کر "غدر" کہا اور کوئی جنگِ آزادی کا نعرہ لگاکر باغی کہلایا۔ سنہ ۵۷ء گزر چکا لیکن ابھی اٹھارھویں صدی عیسوی ختم نہیں ہوئی تھی۔ سرزمینِ ہند سے ایک بار پھر کچھ منتشر ذرات تابشِ آفتاب لئے ہوئے خوابیدہ انسانوں کے قلوب کو گرمانے لگے۔ ظلم اور ناانصافیوں کے پاؤں سے کچلی ہوئی سرزمینِ ہند پھر آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا لئے ہوئے انگڑائیاں لینے لگی۔ دیکھتے دیکھتے اگر ایک طرف شہسوارانِ سیاست نے آسمانِ جمود و سکوت میں ہلچل ڈال دی تو دوسری طرف خالقِ فنِ لطیف نے گہر ہائے بے مثال پیدا کردیئے۔ ٹکسالی اردو زبان جو ابھی ابھی اپنے شباب کی منزل میں قدم رکھ چکی تھی مایوس آنکھوں سے مرگِ مومنؔ و ذوقؔ و غالبؔ پر بصد یاس و حسرت اشک افشاں

تھی اپنی نظریں اُس لرزتی ہوئی شمع کی لو پر جمادی جو راقم الدولہ سید ظہیر حسن ظہیر جانشین استادِ ذوق — کے ضعیف ہاتھوں کی گرفت میں تھی۔ اور جنھوں نے برسرِ عام کہہ دیا:

"طاق ہیں لاریب اپنے فن میں ہم"

آمدم برسرِ مطلب سلطنتِ مغلیہ کے بکھر جانے کے بعد سلطنت آصفیہ حیدرآباد ہی غیر منقسم ہندوستان میں گہوارۂ علم و ادب بن گئی تھی اور حیدرآباد کی تہذیب بھی منفرد تھی جو برترؔ کو بہت پسند آئی اور وہ یہیں مقیم ہو گئے۔

برترؔ کے دو دیوانوں میں سے چند غزلیں، چند رباعیات، کچھ نظمیں مسدس اور قصائد کا انتخاب ہم نے یوں کیا ہے کہ شاعر کا کمالِ فن، قادرالکلامی، علمیت، تشبیہات اور نادر تراکیب کھل کر سامنے آجائیں۔ فارسی کلام، سلام، مرثیے اور نوحوں کو ہم نے الگ رکھا ہے۔ اگر موقع مل جائے تو ان کو بھی شائع کیا جائے گا۔

انتخابِ کلامِ برترؔ کا نام "نقش ثانی"، ہم نے بلا کسی ذہنی تحفظ کے ان کی ایک غزل سے چن لیا ہے تاکہ یہ گمان نہ ہو کہ اگر کلامِ غالبؔ کو اردو زبان کا نقشِ اول کہا جائے تو "نقش ثانی"۔ "کلامِ برترؔ کو یہ خیال نہ صرف

شاگردانِ برترؔ میں عام تھا بلکہ اردو داں طبقے کے باکمال حضرات کا بھی جن میں اُس وقت کے مشاہیر بھی شامل تھے۔

مختصراً یہ میرا فرض تھا کہ اردو زبان کے گہرہائے بے مثال کو نقشِ ثانی کے پیکر میں ان کو اپنی تابانی کے ساتھ اربابِ علم و کمال کے آگے رکھ دوں:

محفل میں کہیں حضرتِ برترؔ تو نہیں ہیں
غالبؔ کی طرح آج کوئی نکتہ سرا ہے

نزہت
دخترِ محمد شاکر علی شاکرؔ خلف محمد نادر علی برترؔ
یادگار غالبؔ

●●●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نام : محمد نادر علی تخلص برترؔ

ولادت : سنہ ۱۸۵۷ء

وفات : ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۵/ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء

اسم والد : محمد یاد علی۔ انسپکٹر آف اسکولس صوبۂ برار

اسم چچا : صوفی محمد قدوس، تخلص قدسیؔ

تعلیم : ابتدائی تعلیم حسب روایات قدیم عربی۔ فارسی۔ اردو گھر پر ہوئی۔ محمد آباد ضلع غازی پور سے انگریزی مڈل پاس کیا۔ دریں اثناء والد کا انتقال ہوگیا اور چچا محمد قدوس قدسیؔ جو ایک صوفی منش بزرگ تھے ان کی سرپرستی میں رہے۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا اور چچا کے ہمراہ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ ادق گوئی ابتداء ہی سے حصہ میں آئی تھی۔ چچا کی اجازت سے اور احباب کی خواہش پر دہلی پہنچے۔ معلوم ہوا کہ غالبؔ وفات پاچکے ہیں۔ کسی نے برادر زادہ غالبؔ مرزا حسن رضا خان صاحب رابطؔ دہلوی کا پتہ بتادیا جو اس وقت نواب رام پور کی خواہش پر انکی ملازمت اختیار کرلی تھی رام پور پہنچ کر آپ نے حضرت رابطؔ سے شرفِ تلمذ حاصل کرلیا۔ جہاں انھوں نے

نہ صرف تمام اصنافِ سخن پر بلکہ علم جفر میں بھی کمال پیدا کرلیا۔ چچا کے مجبور کرنے پر مکان لوٹ آئے اور شادی کرلی۔ صاحبِ اولاد ہوئے۔ کسبِ معاش کی ضرورت نہ تھی۔ خاندان مشترک تھا اور چچا کی سرپرستی تھی۔ بے چین طبیعت نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ آپ رام پور آئے۔ معلوم ہوا کہ استادِ محترم حضرتِ رابطؔ انتقال فرماگئے۔ چونکہ فنِ شاعری میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اس لئے شمالی ہند میں جہاں جہاں شعر و ادب کے چرچے تھے آپ کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ یہ وہ شاعر تھا جس کے ہاتھ میں زورِ قلم، خیالات میں ندرت اور اچھوتا پن۔ زبان میں سوز و گداز۔ بیان میں شگفتگی اور لطافت۔ غالبؔ و مومنؔ کی رہگذر پر تیز رفتاری کے ساتھ گامزن تمام اصنافِ سخن سے آراستہ بہ تقاضائے سن و شباب جوشِ طبیعت یکبارگی دلی کی گلی کوچوں میں پکار ہی اٹھا:

ہوگیا پیشِ نظر غالبؔ کا اندازِ بیاں
آج برترؔ کو سرِ محفل غزل خواں دیکھ کر

زمانے نے اس آواز کو سنا پرکھا اور وزن کیا۔ کچھ لوگوں نے حیرت و استعجاب سے دیکھا اور کچھ نے مستحسن نگاہ سے غالبؔ کا اندازِ بیان لئے ہوئے دلی سے نکل کر بے تکان اپنی منزل کی طرف دوڑتا چلاگیا۔ رام پور گیا۔ بہار۔ دربھنگہ اور بڑودے میں قیام کرتے ہوئے لکھنو آیا۔ استادِ ذوقؔ کے

جانشین راقم الدولہ سید ظہیر حسن ظہیرؔ دہلوی مشاعرہ کی صدارت کر رہے تھے۔
برترؔ نے غزل پڑھی۔

وطن آوارہ برگشتہ مقدر سوختہ دل ہوں
ہنسوائے ہنسنے والو آج میں ہنسنے کے قابل ہوں

بعدِ اختتامِ مشاعرہ ایک دوسرے سے متعارف ہونے کے بعد آپ نے حضرتِ ظہیرؔ کی شاگردی قبول کرلی۔ نتیجتہً آپ کی شہرت میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ کی غزلوں کو شمالی ہند کے فن کاروں اور قوالوں نے خوب اُچھالا اور اپنا حسنِ کمال دکھایا جیسے:

نہ پوچھو بزمِ اعدا میں مرا مجبور ہوجانا
قریب آنکھوں سے رہنا اور دل سے دور ہوجانا

گر اکر خود نظر سے دل مرا پھر پوچھنی حالت
مگر دیکھا نہیں شیشہ کا چکنا چور ہوجانا

غضب ہے یار سے کہنا دمِ رخصت مرا برترؔ
کبھی موقع جو مل جائے تو غازی پور ہوجانا

داغِ دل داغِ جگر داغِ تمنا لیکر آج اس بزم سے ہم آئے ہیں کیا کیا لیکر

علامہ ابن رشیق جو علم العروض کے امام مانے جاتے ہیں اپنی کتاب "العمدۃ" میں رقم طراز ہیں کہ شعر کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ لفظ۔ وزن۔ معنی۔

قافیہ یعنی جس کلام میں وزن۔ قافیہ اور الفاظ با معنی ہوں اس کو شعر کہیں گے اور شعر کی یہی تعریف ہے۔ اسی روشنی میں ہم نے غزلیں۔ رباعیات۔ مسدس ۔ تضمین اور نظموں کو یکجا کیا ہے۔ نہ جانے ہم نے کتنے لعل و گہر ہائے بے مثال کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اس لئے کہ ان کو یکجا کرنے اور شائع کرنے کی استطاعت ہم میں نہیں اور نہ ملک میں ایسا کوئی ادارہ (Publication) پبلیکیشن ہے کہ ہم اس سے رجوع کرتے۔

المختصر شمالی ہند کی ہر اس ریاست اور شہر میں آپ کی (برترؔ) شہرت ہوگئی جہاں جہاں اردو کا بول بالا تھا۔ اجمیر شریف کے ایک مشاعرہ میں آپ کو (برترؔ) کو مدعو کیا گیا۔ جہاں آپ کو حضرت خواجہ شمس الدین شمسؒ سے شرفِ نیاز حاصل ہوا اور آپ ان کے مرید ہوگئے اور خواجہ صاحب کے ہمراہ حیدرآباد آگئے اور راجہ رائے رایاں کی ملازمت اختیار کرلی۔ جنابِ داغؔ کی صدارت میں مشاعرہ تھا۔ آپ نے شرکت کی اور ایک رباعی پڑھی۔

ہوں سب کو عزیز زندگانی کی طرح
خوش وقت ہوں عہدِ نوجوانی کی طرح
میں بھی ہوں وہ جوہرِ لطیف اے برترؔ
مل جاتا ہوں ہر رنگ میں پانی کی طرح

جنابِ داغ نے حیرت و استعجاب میں پوچھ ہی لیا۔ "برتر تم ہی برتر ہو میں نے تو تمھیں کوئی معمر آدمی سمجھا تھا۔"

طرحی غزل پڑھی گئی:

جلوں تا چند دل ہی دل میں آہِ شعلہ افگن سے
بس اب ہشیار پردے سے خبردار اپنی چلمن سے
یہ ہم ہیں جو مقیمِ جلوہ گاہ نازِ جاناں ہیں
وہ موسیٰ تھے کہ لوٹ آئے تجلی گاہِ ایمن سے
بہت بھڑکا ہوا ہے شعلۂ حسنِ شباب اب تو
پسِ چلمن جو بیٹھے ہو دھواں اٹھتا ہے چلمن سے
تمھارا دیکھنا کس طرح دیکھا جائے پھر ہم سے
کہ جب تم دیکھتے ہو دیکھتے ہو چشمِ دشمن سے

دوسرے ہی دن صبح میں سرکشن پرشاد، وزیر اعظم سلطنتِ آصفیہ دکن نے بلوا بھیجا اور اپنا آفر دیا۔ آپ نے معذرت خواہی کی اور کہہ دیا کہ میں نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ راجہ رائے رایاں کی ملازمت ان کے انتقال کے بعد ترک کر دی اور نواب فخر الملک کی ملازمت قبول کر لی۔ آپ کے تلامذہ میں ایک طرف امراء تھے اور دوسری طرف عوامی تعلیم یافتہ طبقہ تھا۔ اس طرح شعراء کی ایک بڑی جماعت آپ کے حلقہ بگوش ہو گئی۔

ں اثناء ثاقبؔ بدایونی حیدرآباد آئے اور ان کی آمد کے سلسلہ میں مشاعرہ
قد ہوا۔ طرح تھی :

"کیا انبساطِ آمدِ ثاقبؔ دکن میں ہے"

جنابِ ضیاؔ گورگانی نے غزل پڑھی، مقطع درجِ ذیل ہے

پردیس میں گزرتی ہے آرام سے ضیاؔ
کس کا وطن، کہاں کا وطن کیا وطن میں ہے

سنہ ۱۸۵۷ء کے حشر نما اثرات سے ہر باکمال اور شریف پریشان تھا
ضرت ظہیرؔ دہلوی کی آمد نے دکن کی آب و تاب میں ایک اور باب کا
فہ کر دیا لیکن جناب داغؔ کے ایک شعر نے سرِ محفل ہلچل ڈال دی۔

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہدو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

اس شعر کی ضمیر ظہیرؔ نے اپنی طرف منعطف کرلی اور برجستہ کہہ دیا :

ظہیرؔ آج دعویٰ ہے جن کو زباں کا
انھیں آئے گی یہ زباں آتے آتے

ہم بھی جناب داغؔ کے ہم درس ہیں ظہیرؔ
بلبل وہ ہیں تو طوطیٔ ہندوستاں ہیں ہم

رنگِ شعر و سخن کچھ ایسے ہی انداز میں تقریباً ہر محفل پر چھا رہا تھا۔ ادھر
نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ادھر برترؔ نے بعالم صد رنج و غم ڈبڈبائی ہوئی

آنکھوں سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گرم رفتار ہے یہ کون کہ پیچھے پیچھے

جاتی ہے خاک اڑاتی ہوئی حسرت میری"

اس کے بعد شاگردانِ ظہیرؔ نے متفقہ الرائے ہوکر برترؔ کی جانشینی کا اعلان کردیا۔

ایک مشاعرہ میں ایمائے جنابِ داغؔ پر نادانؔ جن کا شمار ارشد تلانذہ میں ہوتا تھا برترؔ پر طنز کردیا۔ دیر کیا تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جس سلگتی ہوئی چنگاری کو جنابِ ظہیرؔ کی موت نے دبا دیا تھا اس کو ایک نادانؔ کی نادانی نے ہوا دے دی اور پھر اس کے بعد برترؔ کی زبان سے لوگوں نے مسلسل سنا:

برترؔ تمھاری زمزمہ سنجی کے سامنے

کیا تاب ہے کہ بلبلِ ہندوستاں رہے

برترؔ میں اپنی تیغِ زبانی سے بزم میں

رکھ دوں ابھی زبانِ مقابل تراش کے

عجب کیا نغمۂ برترؔ بھلادے

ترانہ بلبلِ ہندوستان کا

رنگِ شعر و سخن کچھ اسی انداز میں تقریباً ہر محفل پر چھا رہا تھا اور ابھی نادان کے مقابل برترؔ نے زیرکؔ قنوجی کو کھڑا ہی کیا تھا کہ تاریخ دکن نے ایک اور ورق الٹ دیا یعنی فصیح الملک داغؔ استادِ شاہ نے بھی اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کرلیں اور اس شاعرانہ نوک جھونک نے بھی اس سانحۂ عظیم کے بعد دم توڑ دیا اور پھر برترؔ کو بصد رنج و الم یہ کہتے ہوئے سنا گیا۔

اے شورِ حشر آکے جگادے سرِ لحد
تا چند سرگرانیٔ خوابِ گراں رہے
برترؔ بنے کسی کا وہ کس طرح ہم نوا
جو ہمصفیرِ بلبلِ ہندوستاں رہے

المختصر یہ بھی ایک حقیقت تھی اسی چارمینار کے اطراف و اکناف میں ایک زندہ حقیقت جو آج اسی چارمینار کے قرب و جوار میں ایک افسانہ ہے۔

خوبیِ کلام

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے اور خاص کر شاگردانِ برترؔ کا یہ خیال ہے کہ مرحوم (برترؔ) کو غالبؔ کی پیروی میں لطفِ شعر گوئی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے مومنؔ کے رنگ میں شعر کہنا شروع کیا۔

میری نظر میں یہ استدلال کوئی استدلال نہیں۔ اگر میں اس خیال کی تائید کرلوں تو مومنؔ کے رنگ میں پھر غالبؔ ہی کے اندازِ بیان کو نغمہ ریز پاتا ہوں۔

مرحوم (برترؔ) کے کلام کے مطالعہ سے جو اس وقت لفظ بہ لفظ محفوظ ہے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ غالبؔ اور مومنؔ کے رنگ کی آمیزش سے ایک خاص رنگ ابھر آیا اور یہی برترؔ کا ایک نیا مخصوص اسلوبِ سخن ہے۔ میری اپنی یہ رائے ہے کہ میں داغؔ کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جہاں داغؔ کی شاعری سادہ زبان۔ روز مرّہ۔ محاورات۔ اور زبان کے چٹخاروں سے بھرپور ہے وہاں برترؔ کے اس قسم کے اشعار کی کیا گنجائش تھی مثلاً:

"شوق جانداد گرو شیوہ الفت توبہ
سختیٔ راہِ طلب کوششِ فرہاد نہیں"

اندازہ فرمائیے کہ شاعر اپنے سامعین کی عدم توجہی پر کتنا نہ دل شکستہ ہوا ہوگا۔ اسی لئے انھوں نے جملہ اصنافِ سخن کو سامنے رکھ کر پوری زبانی لطافتوں کے ساتھ ادق سے ادق ترزمینوں میں شعر کہا ہے ملاحظہ ہو:

خطا نا کردہ عذرِ بے گناہی پر خفا تم ہو
تو کیا کچھ توبہ توبہ داورِ روزِ جزا تم ہو
کبھی بھولے سے بھی آتے نہیں میرے تصور میں
تکلف بر طرف گویا عدد کے مدعا تم ہو
گھر سے مرے وہ ماہ جو وقتِ سحر گیا
حسرت یہ پہلی چاند کا چہرہ اتر گیا

اُس شوخ فتنہ گر کی ڈھٹائی تو دیکھئے
آنکھوں سے دل چرا کے زباں سے مکر گیا

درباں سے پوچھتے ہیں وہ مجھ کو بتا کے یوں
بیٹھا تھا در پہ برترِ شوریدہ سر گیا"

ستم ہے ترچھی چتون چیں بہ ابرو تن کے بیٹھے ہیں
بگڑنے میں بھی کس بانکی ادا سے بن کے بیٹھے ہیں

دل میں پہلو میں جگر میں سینۂ افگار میں
ہے ٹھکانا درد کا برترؔ انہیں دو چار میں

جگر پہ ہاتھ لب پر آہ حسرت دیدہ و دل میں
مزہ آیا ہے قاتل کو کچھ ایسا رقصِ بسمل میں

کھل گئی زلف سر بسر دیکھو
سنبھلو صاحب ذرا کمر دیکھو

نہ چھوڑا جذب دل نے کوئی ناوک
بس اب کھیلا کرو خالی کمال سے

تری زلفوں نے رفتہ رفتہ یوں گھر کر لیا دل میں
کہ جیسے آنکھ میں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

ہم تمھیں دل دیں تم ہمیں ایذا
یہ بھی صاحب کوئی مروت ہے

کترائے راہ منھ کو چھپائے چرائے آنکھ
اسطور سے بتاؤ تو برترؔ کہاں چلے

تلواریں تم لگاؤ دعائیں میں تم کو دوں
بہتر کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

عاشق نہ بن بتوں کا تو برترؔ خدا کو مان
بھاری جو دل ہوا ہے تو پتھر پہ مار دے

بنا جو کعبہ میں سنگ اسود تو بت بنا بت کدے میں جا کر
سمجھ میں کیا آئے خاک پتھر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

اس تاریخی تمہید و تعارف کے بعد اب ہم جنابِ برترؔ کی شاعرانہ اور

فنی صلاحیتوں کے بارے میں یعنی ان کی شاعری پر ایک سرسری تبصرہ ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اردو زبان کا وہ تاب ناک گوہر جو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ تابندہ تھا جو آج تقریباً پچاس سال کے عرصہ میں نامساعدات حالات کی روشنی میں اپنی آب و تاب کھو چکا ہے۔ اس انمول گوہر کی تابندگی اور درخشندگی کے لئے ہم اس گرد یا زنگ کو جو اس آئینہ کے چہرہ پر فی الوقت جم چکی ہے صاف کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش ہے کہ اس میں دروغ گوئی۔ جانب داری یا بے جا ستائش کا کوئی پہلو ابھر نہ آئے بلکہ یہ خواہش ہے کہ ہمارے نوکِ قلم سے نکلے ہوئے چند جملے اسی شاعرِ بے مثال کی طرح آپ اپنا جواب ہوں۔

نظم طباطبائی اپنے دیوان "صوت تغزل" میں لکھتے ہیں کہ سعدیؔ کے زمانے سے لے کر اس وقت تک غزل کے مضامین ایک ہی طرح کے چلے آتے ہیں اور بار بار کہے جاتے ہیں۔ یہ سب مضامین عامۃ الورود ہیں اس لئے کہ فطرت انسانی سب میں مشترک ہے۔ ایک ہی طرح کے ولولے ایک ہی طرح کی امنگیں۔ ایک ہی قسم کے جذبے سب میں پائے جاتے ہیں۔ مضمون کہاں سے الگ الگ آئیں گے۔ طرزِ بیان کا الگ الگ ہونا البتہ ضرور ہے۔ کلام میں دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ ایک تو اصل مضمون دوسرا طرزِ بیان۔ ان دونوں میں اصل مضمون کسی کا مال نہیں اس لئے کہ وہ ہر شخص کا مال ہے۔ ہاں طرزِ بیان الگ الگ ہونا چاہئے ورنہ سرقہ کا الزام عائد ہوگا۔ نظم طباطبائی کے

اس بیان کی تائید کرتے ہوئے ہم نے نمونتاً چند اشعار کا تقابل غالب کے چند اشعار سے کیا ہے

غالب	برتر
سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے	بے کسی یہ اضطرابِ دیدۂ بسمل میں ہے سر جھکائے شرم سے خنجر کفِ قاتل میں ہے
آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر	کیا اضطرابِ شوقِ شہادت کا ہے اثر گردن کی رگ پھڑکتی ہے تلوار دیکھ کر
ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر	پائی ہیں ایسی آبلہ پائی نے لذتیں رکھتا ہوں پاؤں نوکِ سرِ خار دیکھ کر
نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے	نہ ہو گا کوئی ایذا دوست مجھ سا بزمِ عالم میں ملا لیتا ہوں گھس کر ریزۂ الماس مرہم میں
گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر	پیمانۂ نظر بھی ہے ساقی کا دیدنی مے بٹ رہی ظرفِ قدح خوار دیکھ کر
دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے	کیوں رکھے سر در گریباں چاک دامانی مجھے بخش دے رحمت اگر ملبوسِ عریانی مجھے

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
کر دیا عاجز مآلِ کوششِ بے سود نے
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
بن گئیں ناکامیاں وجہِ تن آسانی مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے
اب تو کچھ ہوا التفاتِ ظاہری پر بھی نظر
جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے
کر چکے محو نوازش ہائے پنہانی مجھے

علاوہ ازیں چند متفرق اشعار بھی پیش ہیں

دے کے دل پھرتے ہیں اب ہم سر بکف
اپنے آگے آگیا اپنا کیا
بولے وہ ہنس کر گذشتہ را صلواۃ
ذکر جب ان سے کبھی اگلا کیا
وہ تیغ باندھ کر جو چڑھے اپنے بام پر
مریخ کا فلک پہ کلیجہ دہل گیا
غضب کی ناتوانی تھی کہ کوئے یار سے اٹھکر
مثالِ نقش پامٹ کر میں بے نام ونشاں اٹھا
خون رلواتی ہے کیا کیا ناوکِ مژگاں کی یاد
چشمِ تر دیتی ہے پیہم لعلِ پیکانی مجھے
مستِ خرامِ ناز ہے وہ کوئے غیر میں
بھڑکا رہا ہے شعلۂ آواز پا مجھے
ضعف اور شوقِ دست رسِ دامنِ اثر
نادم کرے کہیں نہ مرا حوصلہ مجھے
برترؔ مرے سخن کا ہے شاہد مرا سخن
پہنچا ہے فیضِ غالبِ رنگیں نوا مجھے

بزم ادب برترؔ کی سرپرستی میں زیرک قنوجی نے قائم کی تھی اور ہر ماہ ایک طرحی مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ نظم طباطبائی کے تعلقات برترؔ سے پر خلوص اور دوستانہ تھے۔ ایک مشاعرہ بطرح "طریقِ حکمرانی سیکھتے عثمان علی خان سے

بصدارت برتر معقد ہوا۔ مشاعرہ ٹھیک نو بجے شب شروع ہوا لیکن شمع شب کے دو (۲) بجے تک بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹی نظم طبا طبائی کی نماز تہجد کا وقت ہوگیا، اٹھے اور کہا " بھیا برتر اب ہمارا وقت ہوگیا۔ ہم تو چلے مگر چلتے چلتے ایک شعر طرح میں سناتے جاتے ہیں:

مچایا شور اتنا بچہ گانِ مرغِ زیرک نے　　کہ جتنی بلبلیں تھیں اڑ گئیں شاخِ گلستاں سے

مختصراً مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے کچھ مشاعروں کی طرحی غزلوں سے چند اشعار درج ہیں تاکہ رنگ فکر تغزل سامنے آجائے:

برتر	نظم طباطبائی
زندگی کے مرحلے جتنے تھے پیچھے چھٹ گئے	یہ تو جھکے بار بار آنکھیں انھیں ڈھونڈھا کریں
رفتہ رفتہ توسنِ عمرِ گریزاں بڑھ گیا	برق سے بھی توسنِ عمرِ گریزاں بڑھ گیا
پھر بہار آئی جنونِ فتنہ ساماں بڑھ گیا	تھا یہ کس کی قبر کا سبزہ کہ جس کو دیکھ کر
تابہ دامن پھر مرا چاک گریباں بڑھ گیا	پاؤں پھیلاتے ہی دامن سے گریباں بڑھ گیا
تھی تنفس کی ہوا سے ضوفشاں شمع حیات	روز کی بیداد اے چرخ اور اک عالم کی آہ
سانس رکتے ہی چراغِ زیرِ داماں بڑھ گیا	دیکھنا اک دن چراغِ مہرتاباں بڑھ گیا
گر یہی ذوقِ خلش ہے جذب کی تاثیر میں	باڑھ پیدا آنکھ کے سرمہ نے کی شمشیر میں
تو ہی ظالم کہ میں بھی پر لگادوں تیر میں	دیکھئے پلکوں کی صف نے پر لگائے تیر میں
ارتباطِ حسن و الفت کی ہو رنگ آمیزیاں	عشق سکھلاتا جو یک روح و دو قالب کا عمل
ایک رخ میرا بھی ہو اس نیم رخ تصویر میں	جان اپنی ڈال دیتے ہم تری تصویر میں

دیکھ کر جلوہ کسی کا میری آنکھیں کھل گئیں اس کی اک اک بات کی دیتا ہوں میں سو سو جواب

تھی غشی لکھی کلیم اللہ کی تقدیر میں طول موسیٰ نے دیا تھا جس طرح تقریر میں

غالبؔ اور نظمؔ کے چند اشعار کے تقابل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ برترؔ کی شاعری کے بہت بڑے حصہ میں صرف غالبؔ ہی کا اسلوبِ بیان۔ وہی رنگِ تغزل۔ وہی نشستِ الفاظ اور وہی صنعت شعری نظر آتی ہے۔ فارسی تراکیب تشبیہات استعاروں اور محاوروں کا برجستہ اور نادر استعمال یوں نظر آتا ہے کہ ہر لفظ بغاوت پر آمدہ ہے لیکن پیلِ بدمست کی طرح تراکیب کی زنجیروں میں جکڑا ہوا بے بس ہے جیسے:

دل خوں شدہ یاس شہادت کی جزا ہے
نازِ بتِ طناز بھی پابندِ حنا ہے
دل محو تماشا وتماشہ رخِ جانسوز
افسانۂ محویتِ موسیٰ بھی سنا ہے
بے باک نظر عشوۂ خونی ستم انگیز
ارمانِ دلِ موردِ غم نقشِ فنا ہے
تحریر نگارش زدہٗ دستِ رقیباں
نامہ بجواب آمدہ فرمانِ قضا ہے

جنوں میں ضعف سے زنجیرِ پا دیوارِ زنداں ہے
مگر ہر آبلہ منت کشِ خارِ بیاباں ہے
خزان وحشت میں سیرِ فرحت آثارِ گلستاں ہے
نگاہوں میں وہ لطفِ کاوشِ خارِ بیاباں ہے
فراقِ یار میں اے ناامیدی تابکے کاوش
دلِ حسرت زدہ میں نیش زن ہر خارِ ارماں ہے

ہمعصر شعراء - ترکی شاعر پایہ تخت یادگارِ فردوسی۔ داغ۔ نظم طباطبائی مقتدر خاں ناظم۔ رحمت غازی پوری (عم زاد برادر برتر) کاظم علی باغ۔ ڈاکٹر اقبال۔ حسرت موہانی۔ نوح ناروی۔ ضامن کنتوری۔ رضی الدین حسن کیفی وغیرہ۔

تلامذہ - تلامذہ کی تعداد۔ بنگال تا لاہور۔ دلی تا دکن اور مدراس میں ملتی ہے۔ جن کی تفصیل دوسری اشاعت میں شائع ہوگی۔

تصانیف - ناول عابدہ اور شامِ عشرت اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ فغانِ برتر و اسوخت سی پارۂ غم اور امانت التواریخ۔ امانت پریس حیدرآباد سے شائع ہوئی ہیں۔ آپ کی زیرِ سرپرستی اور ایڈیٹری میں رسالہ نسیم دکن ماہانہ شائع ہوتا رہا ہے۔ آپ کا کلام زیادہ تر رسالہ

نظام (لاہور) تاج (حیدر آباد) عالم گیر (دہلی) حیاتِ سخن اور کشکول حیدر آباد میں شائع ہوا ہے۔

مثنوی "خلشِ دل" مولانا حسرت موہانی کی خواہش پر ان کو دی گئی تھی لیکن تقسیم ہند اور سیاسی وجوہات کی وجہ سے طبع نہ ہو سکی۔ افسوس کہ اس کی نقل کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکی۔

الغرض یہ میرا فرض ہے کہ اس اردو زبان کے یکتائے زمانہ و عدیم النظیر شاعر کے حسنِ تخیل کو "نقش ثانی" کے پیکر میں اس کی پوری رخشندگی کے ساتھ نگہ فہم و ادراک کے آگے رکھ دوں

فقط

راقم الحروف
محمد مشتاق علی مشتاق
نبیرۂ برتر یادگارِ غالب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

بود و نابود اک کرشمہ ہے جمالِ پاک کا
نکتۂ اِلاّولا میں درک کیا ادراک کا

کوئی تو پنہاں ہے اس قالب میں شکلِ مدعا
ورنہ مسجودِ ملائک ہو یہ پتلا خاک کا

کیوں تحیر گاہ ہے بزمِ خراباتِ جہاں
یہ بھی کیا آئینہ ہے میرے دلِ صد چاک کا

دورِ دامانِ نظر ہے وہ محیطِ دو جہاں
پردۂ نہ چرخ اک پیوند جس کے چاک کا

جلوہ گر عالم میں ہے اور پھر نظر آتا نہیں
طرفہ اندازِ حیا ہے اس بتِ بے باک کا

ماہیت کیوں کر حجاب و بے حجابی کی کھلے
حسن بے پردہ ہے پردہ روئے آتش ناک کا

حیرتِ آئینۂ ہستی زبانِ حال ہے
خامشی گویا تکلم ہے یہاں ادراک کا

رازِ ناگفتہ ہے ذکرِ شاہدِ پردہ نشین
ہے انا الحق سچ نام اِس عشق میں بیباک کا

ہیں ازل سے جس میں بستہ اک جہاں کی گردنیں
نحن واقرب اک پھندا ہے اسی فتراک کا

خاطرِ محبوب بھی وجہ نمائش ہوگئی
آئینہ ہے صاف مطلب آئینۂ لولاک کا

ہے زبانِ حق پہ برترسے خاکِ طیبہ کی قسم
خاکساری سے بڑھا اس درجہ رتبہ خاک کا

نعت

قیامت تک نہ چھوٹے طوف پھر کوئے محمدؐ کا سرِ قسمت اگر ہو تو قاف قابوئے محمدؐ کا
یہ ہے اعجازِ سودائے سرِ موئے محمدؐ کا بہشت اک دشت ہے دیوانۂ کوئے محمدؐ کا
نشانہ شش جہت ہے جلوۂ روئے محمدؐ کا فقط کعبہ نہیں قبلہ نما سوئے محمدؐ کا
مرے ارمان وصال و ہجر کے جھگڑے سے ایمن ہیں کہ مجھ کو عشق ہے عشقِ رضا جوئے محمدؐ کا
نہ کیوں ہر ذرۂ خاکِ مدینہ مہر تاباں ہو کہ عکس اس پہ تجلی ریز ہے روئے محمدؐ کا
فضائے باغِ جنت، غنچۂ خاطر نے دکھلائی کوئی جھونکا جو آیا گلشنِ کوئے محمدؐ کا
شبِ معراج کے عقدے ہیں اُس کے حلقہ حلقہ میں کھلے گا رازِ سربستہ نہ گیسوئے محمدؐ کا
کہے دیتے ہیں خاطر داریٔ محبوب کے تیور کہ قدرت پر بھی کچھ قبضہ ہے قابوئے محمدؐ کا
عیاں ہے اضطرابِ دل سے برقِ طور کے جلوے تصور جلوہ فرما جب سے ہے روئے محمدؐ کا
کلیم اللہ و شمع طور رنگِ بے خودی توبہ مگر وہ بھی تھا سایۂ قد، دلِ جوئے محمدؐ کا

وہ ہوں دیوانۂ عشقِ نبیؐ پہنچا اگر برتر
غبار اٹھ کر بٹھائے گا مجھے کوئے محمدؐ کا

مسدس

ظہورِ قدرت

طرب اندوز پھر مطلع ہوا صبح مسرت کا ہوا غل پھر نشاط انگیزیٔ عیدِ ولادت کا
بڑھا کیفِ وفا پھر بادہ نوشانِ محبت کا اٹھا قبلہ سے پھر گھنگھور بادل خاص رحمت کا
ہوائے یادِ ساقی کے چلے جھونکے بہار آئی
لگی دل کی بجھانے رحمتِ پروردگار آئی
ہوا نامِ خدا پھر جوشِ صہبائے ولا دل میں مئے الفت نے پھر صلی علیٰ باندھی ہوا دل میں
تصور نے جمایا رنگِ نیرنگِ وفا دل میں دربیرِ مغاں کا صاف نقشہ کھنچ گیا دل میں
اُدھر انگڑائیاں آئیں خمار اترا ادھر سر سے
بڑھیں لینے کو موجیں چشمۂ تسنیم و کوثر سے
دلِ پر شوق ڈوبا کیفِ صہبائے محبت میں ابھر آئیں امنگیں پھر نئے سر سے طبیعت میں
تمنائیں مچلنے لگ گئیں آغوشِ الفت میں حقیقی شادمانی ہو گئی حاصل حقیقت میں
نشاطِ دل کا نقشہ صاف چہرے پر ابھر آیا
نظر جس سمت اٹھی جلوۂ قدرت نظر آیا
وہ تڑکا نور کا وہ جلوہ ریزی صبحِ خنداں کی وہ رنگینی افق کی وہ تجلی مہرِ تاباں کی
نوا سنجی وہ شاخوں پر طیورانِ خوش الحال کی خوشی وہ نعرۂ تکبیر سن کر ہر مسلمان کی

اذانوں کے وہ نغمے جانفزالحنِ حجازی میں
وہ ذوقِ طاعتِ معبود قلبِ ہر نمازی میں
ہویدا ہر در و دیوار سے وہ نور کا عالم   نسیمِ صبح کی رفتار میں مخمور کا عالم
طراوت بخش خاطر صبح کے کافور کا عالم   سمٹ کر بن گیا پتلی شبِ دیجور کا عالم

تجلی خیز کل کی صبحِ خنداں نے نمایاں کی
چمک ذروں میں پیدا ہوگئی مہرِ درخشاں کی
زمیں سے آسماں تک نور کی چادر کا تن جانا   افق کی روشنی کا مطلع الانوار بن جانا
بیاضِ صبح کا وہ دامنِ گردوں میں چھن جانا   زمیں سے اڑکے شبنم کا سوئے چرخِ کہن جانا

عیاں ہر چیز سے جلوہ ہوا صناعِ قدرت کا
تماشہ ہوگیا پیشِ نظر کثرت میں وحدت کا
فضا اس صبح کی نامِ خدا کچھ اور کہتی ہے   طراوت اس سحر کی دیکھنا کچھ اور کہتی ہے
تجلی ریزئ حسنِ ضیاء کچھ اور کہتی ہے   سعادت اس کی اے صلی علی کچھ اور کہتی ہے

یہی وہ صبح ہے روشن ہوئی صبحِ ازل جس سے
ہوئی آئینہ شانِ قدرتِ عزو جل جس سے
اسی کے جلوہ روشن سے چمکا نورِ عرفاں کا   اسی نے منہ کیا کالا شبِ تاریکِ عصیاں کا
اسی کے عکس سے پھیلا اجالا بزمِ امکاں کا   اسی کی ضو نے چمکایا دلوں میں نور ایماں کا

ہلال اسلام کا چمکا اسی کے فیضِ باطن سے
مٹائی تیرگئ کفر اس نے قلبِ مومن سے

اسی کے حسن سے صبحِ ازل کا نام روشن ہے
تجلی سے اسی کی چہرۂ اسلام روشن ہے
اسی سے صبح روشن ہے اسی سے شام روشن ہے
اسی کا پرضیا آغاز ہے انجام روشن ہے
نہیں محدود باہر فہم و دانش سے ہے حد اس کی
رہے گی روشنی قائم ازل سے تا ابد اس کی

اسی کے جلوۂ روشن کا پرتو شاہِ خاور ہے
اسی کے عکس کا اک شائبہ ماہِ منور ہے
اسی کے بزم افروزی کا پروانہ ہر اختر ہے
زمیں اس سے منور اس سے روشن چرخِ اخضر ہے
تجلی ریزیاں اس کی نمایاں ہیں زمانے میں
اسی تجلی کا پاور ہے خدائی کارخانے میں

جہاں کے سونے والوں کی اسی نے کھولدیں آنکھیں
اسکی جلوہ ریزی سے بصیرت زا بنیں آنکھیں
ہواداری سے اسکی محوِ غفلت اب نہیں آنکھیں
وہی اب ہیں فلک پر تھیں جو پیوندِ زمیں آنکھیں
اسی نے روشنی بخشی نظر میں کم نگاہوں کی
اسی نے رہبری کی دہر میں گم کردہ راہوں کی

ہوئی اب صبح کی کیوں اس قدر شہرت زمانے میں
بڑھی کس واسطے یہ شان یہ شوکت زمانے میں
کسی کی بے سبب ہوتی نہیں عظمت زمانے میں
تو پھر کیا وجہ پائی اس نے یہ دولت زمانے میں
سبب اس کا یہ ہے رازِ خدائی اس میں مضمر ہے
زمانِ صبح صادق وقتِ میلادِ پیمبر ہے

پیمبر وہ کہ جس کے سر پہ اکلیلِ شفاعت ہے　　پیمبر وہ پئے خلقِ خدا جو خاصِ رحمت ہے
پیمبر وہ جو غمخوارِ گنہگارانِ امت ہے　　پیمبر وہ کہ جو پیارا حبیبِ رب العزت ہے
پیمبر وہ زمانے بھر پہ فیضِ عام ہے جس کا
لقب ہے ساقیٔ کوثر محمدؐ نام ہے جس کا

یہ دینِ ہر مسلمان ہے یہ ہر مومن کا ہے ایمان　　نثار ایسے لقب کے ایسے نامِ پاک کے قربان
یہی وہ نام ہے جس میں ہے رازِ کن فکاں پنہاں　　خدا شاہد اسی سے ہے بنائے عالمِ امکان
یہی وہ نام ہے لوح و قلم کی جس سے عظمت ہے
اسی سے عرش و کرسی کی دوبالا شانِ رفعت ہے

شہنشاہوں کی پیشانی تھی جس کے در پہ افتادہ　　مزین جسم پر الفقر فخری کی قبا سادہ
بس اک کمبل بچھونا اوڑھنا سمجھو کہ سجادہ　　وہ غمخوارِ یتیماں بے کسوں کا وہ ہے دلدادہ
محبت دل نشیں ہو جائے گر اس کملی والے کی
تو پھر کیا ہے سند مل جائے جنت کے قبالے کی

بتائی بات وہ جس سے ہماری بات بن آئی　　اخوت اس نے جتلائی مساوات اس نے سکھلائی
لکھائی بخششِ امت کی جس نے حق سے بھر پائی　　وہ سچا عاشقِ معبود وہ بندوں کا شیدائی
حمایت کو ہماری بن کے وہ ثابت قدم آیا
اٹھائی اس قدر زحمت کہ پاؤں پر ورم آیا

جہاں میں مشعلِ راہِ ہدایت لیکے ساتھ آیا پئے خلقت خدا کی خاص رحمت لیکے ساتھ آیا
متاعِ مغفرت جنسِ شفاعت لیکے ساتھ آیا مسیحائے دوعالم دردِ امت لیکے ساتھ آیا
کوئی دیکھے تو غمخواری شہنشاہ حجازی کی
کلام اللہ کے نسخوں سے ہماری چارہ سازی کی

حقیقت کی عیاں اسلام کے حق و صداقت کی شہادت دی رسولانِ سلف کی شان و عظمت کی
بتادیں صاف مثلِ آئینہ راہیں شریعت کی جہاں سے صاف تاریکی مٹادی کفر و بدعت کی
کیا اللہ سے واصل اسی نے خاص بندوں کو
مسیحا کردیا دنیا و دیں کے درد مندوں کو

لگادی اس طرح عشقِ حقیقی کی لگن دل میں کہ نورِ معرفت ہونے لگا پرتو فگن دل میں
ہوئی توحید کی جب آبیاری جوش زن دل میں نہ جمنے پائی پھر گردِ خیالِ ماومن دل میں
یہ صورت صاف ہوکر ہوگئی قلبِ مکدر کی
نظر آنے لگی شکل آئینے میں آئینہ گر کی

کسے معلوم تھے وہ چٹ کلے معجز نمائی کے کہ جن کو دیکھ کر حیراں رہے منکر خدائی کے
نکالا مہر کو مغرب سے قربانِ اس رسائی کے دوپارہ کردیا مہ کو تصدق اس صفائی کے
دلیل اب اس سے بڑھ کر او کیا ہوتی صداقت کی
گواہی دے رہے تھے سنگ ریزے بھی نبوت کی

منائیں آج ہم جتنی خوشی فی الجملہ وہ کم ہے
ہمیں اب فکر دنیا ہے نہ اب عقبیٰ کا کچھ غم ہے
ملائک کی زباں پر بھی یہ شورِ خیر مقدم ہے
یہ جشنِ محفلِ میلادِ سرکارِ دو عالم ہے

یہاں حاضر ہوئے ہیں جو دلی جوشِ عقیدت سے
اشارے کرتی ہیں حوریں انھیں گلزارِ جنّت سے

غلامانِ نبی بیٹھے ہوئے ہیں جا بجا اس جا
درود پاک کا ہدیہ لئے حاضر ہیں سب اس جا
یہ سننے آئے ہیں نعت شہنشاہِ عرب اس جا
سحابِ رحمتِ باری کی بارش ہوگی اب اسجا

سند بخشش کی ملتی ہے یہاں تقدیر کھلتی ہے
یہیں جنسِ خطا میزان میں رحمت کی تلتی ہے

مدد کا وقت ہے یا سرور عالم مدد کیجئے
نہیں ہے اب تو تابِ صدمہ پیہم مدد کیجئے
ہوئے ہیں عاجز و مجبور بیحد ہم مدد کیجئے
کہاں تک قلب مردہ کا کریں ماتم مدد کیجئے

غضب ہے ہم ہی کہتے ہیں مخالف کے جوابوں میں
مسلماں گور میں ہیں اور مسلمانی کتابوں میں

نہ غیرت دین کی ہم کو نہ شرم اسلام کی ہمکو
غرض ہے شان سے ہم کو نہ خواہش نام کی ہمکو
خبر مطلق نہیں ہے گردشِ ایام کی ہم کو
نہ پروا صبح کی ہم کو نہ پروا شام کی ہم کو

پڑے آنکھوں پہ ہیں اس طرح پردے خواب غفلت کے
نظر سے مٹ گئے نقشے گذشتہ شان و شوکت کے

یہ مانا ہم ذلیل و خوار ہیں آفت کے مارے ہیں
مخالف کو ہماری قسمتِ بد کے ستارے ہیں
مگر اس پر بھی زندہ لطفِ حضرت کے سہارے ہیں
برے ہیں پھر بھی ہم مشہور عالم میں تمہارے ہیں

دو عالم میں تمھیں کو لاج یا مولا ہماری ہے
بس اب اپنے رحمت العالمین رحمت کی باری ہے

فلک فرسا ہو پھر اسلام کا جھنڈا زمانے میں بجے دینِ مبیں کا چار سو ڈنکا زمانے میں
ہماری پھر سے عظمت ہو وہی دنیا زمانے میں گذشتہ دور کا ہو پھر وہی دورا زمانے میں
مسلمان پھر زمانے میں وہی اگلے مسلماں ہوں
یہ پابندِ فرائض ہوں مطیعِ حکمِ قرآں ہوں
تمامی حاضرینِ بزم کی مقصد براری ہو انہیں حاصل یہاں بھی اور وہاں کام گاری ہو
زباں پر ان کی ہر دم کلمۂ توحید جاری ہو نبی کا نام سن کر خاص حالت ان پہ طاری ہو
رہے باقی نہ کچھ اپنے سر و تن کی خبر ان کو
فقط اک جلوۂ حسنِ ازل آئے نظر ان کو
دعائے برترِ دل گیر میں یارب اثر دیدے طلب ہے جس قدر اس کی کچھ اس سے بیشتر دیدے
دلِ عرفاں طلب دیدے نگاہِ حق نگر دیدے ترے محبوب کا سودا رہے جسمیں وہ سر دیدے
بسر عمرِ دو روزہ اس کی ہو نعتِ پیمبر میں
رہے اک نام اس کا بھی ثنا خوانوں کے دفتر میں

صبح خندانِ ولادت

منور سازِ بزمِ عشق ہے حسنِ بیاں کیا کیا
زبانِ شمع بن کر ہوگئی روشن زباں کیا کیا

مزہ دے جائیگا افسانۂ عشق و محبت بھی
لٹائے گی ہر اہلِ درد کو یہ داستاں کیا کیا

خدا شاہد جہاں میں بول بالا ہے محبت کا
بنایا ساحت دل کو اسی نے آسماں کیا کیا

اسی نے رنگ بدلے ہر زمانے میں زمانے کے
دکھائیں اس نے اہل دید کو نیرنگیاں کیا کیا

کسی کو کر دیا مجنوں دکھا کر جلوۂ لیلیٰ
بسایا دشت کو اسنے اجاڑیں بستیاں کیا کیا

کیا شیریں کو شیدا کوہ کن کی تلخ کامی کا
کیا خونِ سرِ فرہاد کو اسنے رواں کیا کیا

بڑھائی اس نے کیسی خواب میں وحشت زلیخا کی
اڑائیں دامنِ یوسف کی اس نے دھجیاں کیا کیا

ہوا باندھی اسی نے پہلے سوزِ شمعِ محفل کی
دکھائیں اسنے پروانوں کو پھر جانسوزیاں کیا کیا

اسی نے آتشِ حسنِ گلِ خنداں کو بھڑکایا
جلائے فصلِ گل نے بلبلوں کے آشیاں کیا کیا

دکھایا یہ اثر دل بستگیٔ طوقِ قمری کا
ہوئی آزاد ہو کر پا بہ گل سرو رواں کیا کیا

خدا رکھے یہی تو باعثِ ایجادِ عالم ہے
کھلائے اسنے گل بوٹے لگائے گلستاں کیا کیا

نظر حسن آفریں نے جس گھڑی کی حسن پر اپنے
ہوئیں آئینۂ وحدت سے پھر سرگوشیاں کیا کیا

جمایا پھر تو اک نقشہ نیا جذبِ محبت نے
ہوائے خود نمائی کی بڑھیں بے تابیاں کیا کیا

کھینچی ہے دستِ صناعِ ازل سے ایسی اک صورت
کہ نازاں ہوگیا خود خامۂ قدرت نشاں کیا کیا

تماشہ دیدنی تھا حسنِ تصویر و مصور کا
ادھر ذوقِ سخن کیا کیا ادھر خاموشیاں کیا کیا

نمایاں حسنِ احمدؐ ہوگیا نورِ احد بن کر رہا اک جسم کا پردہ حجابِ درمیاں کیا کیا
گلِ تازہ کھلائے خوب اسرارِ محبت نے ہوئیں گلزارِ ہستی کی چمن پیرائیاں کیا کیا
چمن بندی ہوئی نخلِ قدِ آدم کی عالم میں گل افشاں ہوگیا رنگِ بہارِ جاوداں کیا کیا

یکایک جانب قبلہ سے ابر نو بہار اٹھا
سنا کر نغمۂ صل علیٰ ہر بادہ خوار اٹھا

جمی ہے بزم عشرت خیز دورِ جام پیہم ہے صدائے خندۂ مینا سے پر آوازۂ عالم ہے
سرور آنکھوں میں دل میں کیف سر میں نشۂ شادی نہ اب کچھ فکرِ دنیا ہے نہ اب عقبیٰ کا کچھ غم ہے
بھرا ہے بادۂ حُب محبت ساغرِ دل میں کسے تسنیم کی خواہش کسے پروائے زمزم ہے
خبر ساقی کے آنے کی اڑی ہے ہوش کی صورت خودی کیسی رموزِ بے خودی کا جوشِ پیہم ہے
نظر ہے جانبِ در گوش بر آواز بیٹھے ہیں نہ غوغا ہے نہ غل ہے ایک سناٹے کا عالم ہے
تجلی زار ہو دامن نہ کیوں چشم تمنا کا نظر کی بے قراری کو کوئی برقِ طور سے کم ہے
کوئی شکوہ نہیں ہے دردمندانِ محبّت کو کہ اب خاطر پریشاں ہے نہ اب تقدیر برہم ہے
بیانِ شکوۂ دردِ جدائی ہو تو کس منھ سے فسانہ اب شبِ فرقت کا گویا خوابِ ابکم ہے
اشارے کر رہی ہیں طالبانِ دید کی آنکھیں ہمارا فرش ہونا بزم میں سب سے مقدم ہے
ادب سے خود بخود گردن جھکی جاتی ہے محفل میں سرِ تسلیم بہرِ پائے بوسی سر بسر خم ہے
ہوئی جاتی ہیں آنکھیں فرشِ شوقِ پائے بوسی میں مسرت خیز کچھ اس درجہ شورِ خیر مقدم ہے
ندا دی ہاتفِ غیبی نے ہاں ہوشیار ہو جاؤ یہ اس کی آمد آمد ہے جو سردارِ دو عالم ہے
سریر آرائے ایوانِ رسالتؐ مخبرِ صادق مبارک ذات جس کی باعثِ فخرِ ابِ وعم ہے
ازل سے تا ابد ایسا ہوا کوئی نہ اب ہوگا یہی سب سے موخر ہے یہی سب سے مقدم ہے

حبیبِ کبریا احمد محمد مصطفیٰ یہ ہے
خدا کا نام روشن جس سے ہے نامِ خدا یہ ہے

ہوا تاریک سناٹا شبِ تاریک فرقت کا — جہاں میں ایک غل ہے صبحِ خندانِ ولادت کا
نہیں اب موجِ طوفانِ حوادث کا خطر کوئی — خدا نے نا خدا پیدا کیا کشتیٔ امت کا
ہدایت کے لئے شاہنشہ امی لقب آیا — اندھیرا چھا گیا ملکِ عرب میں جب جہالت کا
کیا کرتے تھے بندے بت پرستی عین کعبہ میں — نہ کچھ تھی شرک کی پروا نہ کھٹکا کچھ تھا بدعت کا
کوئی بندہ ہبل کا تھا کسی کا تھا خدا عزا — نئے معبود تھے نقشہ نرالا تھا عبادت کا
نظر آتی نہ تھی آئینۂ توحید کی صورت — غبارِ اس طرح تھا چھایا ہوا کفر و ضلالت کا
اٹھا گمراہیٔ مخلوق کا طوفاں جب بے حد — بڑھا سیلاب بہرِ شست و شو دریائے رحمت کا
جہاں کو کفر کی آلائشوں سے پاک کرنا تھا — ہوا مکے سے جاری ایک سرچشمہ ہدایت کا
اندھیرا چھا گیا جب کفر کا ہر سو زمانے میں — یکایک نور طالع ہو گیا مہرِ رسالت کا
شعاعیں نیرِ اسلام کی چمکیں زمانے میں — ہوا دنیا سے منہ کالا شبِ تاریکِ بدعت کا
زمانہ گونج اٹھا نعرۂ اللہ اکبر سے — ترنم سنج ہر بلبل ہوا گلزارِ وحدت کا
یکایک ہو گئی کایا پلٹ سارے زمانے کی — خدا شاہد مزا آنے لگا دنیا میں جنت کا
نبوت کی گواہی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی — لبِ اصنام پر جاری ہوا کلمہ شہادت کا
بتایا آئینہ حسنِ احد کا حسنِ احمدؐ کو — تماشا دیکھنا مد نظر تھا اپنی صورت کا
خدا کو کس کی خاطر داریاں منظور تھیں اتنی — لقب کس کو ملا ہے شافعِ روزِ قیامت کا
بنے روح الامیں دربانِ حضرت کے صدقے میں — صلہ اب اور کیا جبرئیل پاتے حسنِ خدمت کا
مرے آقا خدارا اک نظر مداح پر اپنے — مرے پاؤں کی بیڑی بن گیا ہے پیچ قسمت کا

غمِ فرقت مٹا دیجئے مدینے میں بلا لیجئے الم کبتک سہوں صبحِ وطن میں شامِ غربت کا
تماکرتا ہوں صورت دیکھنے والوں کی حسرت سے اب اندازہ لگالیں آپ ہی اس میری حسرت کا
اگر ہے زندگی تو زندگی ہو اس قرینے کی
مدینے میں رہوں میں آنکھ میں گلیاں مدینے کی

خبر لو یا رسول اللہ حالِ قوم ابتر ہے جو پہلے تھا فلک پر ٹھوکروں میں اب وہی سر ہے
زمانہ جس کا لوہا مانتا تھا، آج حقیقت ہے اسی کے ہاتھ میں افسوس زنگ آلودہ خنجر ہے
مقر تھا اک زمانہ جس کے علم و فضل و دانش کا قیامت ہے زمانے میں وہ اب جاہل سے بدتر ہے
رہا محسودِ عالم سلسلہ جس کی اخوت کا تماشا ہے وہی اب دشمن جانِ برادر ہے
ہوئی تھی ختم جس پر اتفاق و صلح کی خوبی نفاق و بغض میں اب سب سے پہلے اس کا نمبر ہے
جہاں دولت کی بارش رات دن تھی ہن برستا تھا وہاں اب خاک اڑتی ہے غبار آلودہ منظر ہے
زمانہ دیکھتا تھا جس کو وقعت کی نگاہوں سے زمانہ کی نظر میں اب وہی سب سے سبکتر ہے
جس آبِ آتشیں کو زہرِ قاتل سب سمجھتے تھے سمجھ ایسی ہوئی الٹی وہی اب شیرِ مادر ہے
قدم سے جس کے تھی بخت مُغَبّی کی زینت و عزت وہی ہے خانما برباد اب تکیہ نہ بستر ہے
جماعت کیا نمازِ پنجگانہ کی نظر آئے نہ وہ اللہ والے ہیں نہ وہ اللہ کا گھر ہے
مساجد سے سرا کا کام لیتے ہیں معاذ اللہ نہ بندوں کی ہے کچھ پروا نہ کچھ اللہ کا ڈر ہے
اغثنی یا رسول اللہ ۰ اغثنی یا رسول اللہ شکستہ اب جہازِ امت عاصی کا لنگر ہے
خدارا پھیر دو رخ اک ذرا بادِ مخالف کا مدار اسلامیوں کی زندگی کا اب ہوا پر ہے
دکھا دو شانِ رحمت، رحمت للعالمین تم ہو نہیں یہ گردشِ گرداب، یہ قسمت کا چکر ہے
لگے ساحل سے یہ بیڑا تو بیڑا پار ہو جائے یہی امداد کا وقت اے شفیعِ روزِ محشر ہے
اثر بخشو کچھ ایسا بر تر مُحزوں کے نالوں میں کہ برپا آج ہو شورِ قیامت سننے والوں میں

غزلیات

•

رتبہ کوئی دیکھے تو مرے جرم و خطا کا
مجرم بھی اگر ہوں تو میں مجرم ہوں خدا کا

پابند ہوں میں شیوۂ تسلیم و رضا کا
اللہ سے طالب ہوں، نہ کم کا نہ سوا کا

مایوسی اربابِ وفا بھی ہے قیامت
منہ تکتے کھڑے ہیں کسی محجوب جفا کا

اللہ رے پابندیٔ اندازِ نزاکت
اڑتا کفِ رنگیں سے نہیں رنگ حنا کا

خلوت کدۂ دل کی حقیقت نہیں کھلتی
یوں کہنے کو سب کہتے ہیں یہ گھر ہے خدا کا

محشر میں بھی وعدہ نہ وفا ہو تو عجب کیا
بد عہد میں کشتہ ہوں ترے عہد وفا کا

مرہم بھی لگاتے ہیں تو وہ تیر کے پر سے
پہلو ہے نیا لطف کے پردے میں جفا کا

جھوٹی لبِ میگوں کی جو بر تر وہ پلادیں
ہو آتشِ تر میں بھی اثر آبِ بقا کا

رہبرِ ملکِ عدم ہے تنِ بے جاں اپنا
نقشِ پا چھوڑ گئی عمرِ گریزاں اپ

رنگ لائے نہ کہیں خونِ شہیدان اپنا
تیغ سے پہلے ذرا باندھئے داماں اپ

دیکھ کر رنگِ سوادِ شبِ ہجراں اپنا
خوف سے ہو گیا سایہ بھی گریزاں اپ

تیرہ بختی مُسرِ زلف سے کچھ دور نہیں
صبحِ محشر ہو سوادِ شبِ ہجراں اپ

آ رہی ہے سرِ گردابِ فنا کشتیٔ عمر
موجزن ہجر میں ہے دیدۂ گریاں اپ

جستجو ملکِ عدم میں بھی بہت کی لیکن
نہ ملا قافلۂ عمرِ گریزاں اپ

خانہ غیر ہے کیوں گوشۂ تاریک لحد
راستہ بھول گئی کیا شبِ ہجراں اپ

داغِ سوزاں کو ہو کیا آہ کے جھونکوں سے خطر
گل نہ ہو گا یہ چراغِ تہہ داماں ا

مر گیا وحشیٔ گیسو تو بلا سے چھوٹا
آپ نے مفت کیا حال پریشا

شورِ ہنگامۂ ہستی سے ملی خوب نجات
گوشۂ امن ہے کیا شہرِ خموشاں ا

ہم کو پہنچا کے سرِ منزلِ اول آخر
چل دیا قافلۂ عمرِ گریزاں ا

تابِ دیدار پہ رکھتے جو نظر وہ اپنی
ہوش کھوتے نہ کبھی موسیٔ عمران

جستجو میں تری ہم گور کنارے پہونچے
کچھ پتہ تو ہی بتا عمرِ گریزاں ا

آ گیا خونِ شہیدانِ وفا کا دھبہ
تیغ ہر چند بچاتی رہی داماں

ڈر ہے کاہیدگیٔ جوشِ جنوں سے برتر
جامہ زیست نہ بن جائے گریباں اپنا

کھلے گا اب بھی کیا پردہ جنونِ فتنہ ساماں کا
چھپا رکھا ہے ٹکڑا جیب میں چاکِ گریباں کا

ترقی پر رہا عالم اگر وحشت کے ساماں کا
بنے گا بدرِ کامل یہ ہلال اپنے گریباں کا

سبک روحی میں غم کیسا جنونِ فتنہ ساماں کا
جب اترا جامۂ ہستی پتہ پھر کیا گریباں کا

بکھر جائیں گی کلیاں دامنِ صبحِ قیامت کی
بھرم کھل جائیگا جس دم میرے چاکِ گریباں کا

تماشہ ہم دکھاتے پھر جنوں کی چیرہ دستی کا
جو ہوتا جامۂ ہستی میں ٹکڑا بھی گریباں کا

ملے پھٹکر بھی کیوں ٹکڑے نہ اسکے جیب و داماں کے
جنوں دریوزہ گر ہے کوچۂ چاک گریباں کا

جنوں کبتک رہے آوارہ گردِ وادئ غربت
اجل رستہ بتادے کوچۂ چاک گریباں کا

کشاکش دستِ وحشت کی چھٹیگی کیا پسِ مردن
کفن میں بھی تو باقی ہے ابھی جھگڑا گریباں کا

بہار آتے ہی وحشت نے کیا اس درجہ بالیدہ
کہ پھنس کر رہ گیا گردنمیں طوق اپنے گریباں کا

اتارونگا گلے سے طوقِ منت موسمِ گل میں
چڑھاؤں گا مزارِ قیس پر ٹکڑا گریباں کا

خطر کیا شامِ ہجر و صبحِ محشر سے مجھے برتر
کہ وہ دھجی ہے دامن کی تو وہ ٹکڑا ہے گریباں کا

نئی صورت سے رودادِ جراحت کا بیاں ہوگا
دہانِ زخمِ بسمل میں ترا خنجر زباں ہوگا

رہیگا عشق جبتک خام سرگرم فغاں ہوگا
جو کچی آگ ہے پیدا ضرور اس میں دھواں ہوگا

سبک ہونے نہ پاؤں گا نگاہِ رحمتِ حق میں
دمِ وزنِ عمل پلہ گناہوں کا گراں ہوگا

جہاں کی سختیاں خود ہی حفاظت کا سبب ہونگی
دلِ نازک مرا بتیس دانتوں میں زباں ہوگا

قفس اندر قفس صیاد رکھے گا اگر ان کو
نشیمن بلبلوں کا آشیاں در آشیاں ہوگا

تجلی شمع کی ہو جاتی ہے فانوس سے دونی — نہاں جس درجہ ہوگا حسن اتنا ہی عیاں ہوگا

دمِ عرضِ تمنا بندیوں راہ سخن ہوگی — بڑھے گا جب ہجومِ آرزو مہرِ دہاں ہوگا

سرِ شکوہ نہ ہوگا حشر میں بھی تیرے کشتوں کو — دہانِ زخم میں خنجر بھی گونگوں کی زباں ہوگا

کرامت دیکھ لینا شوقِ اظہار تمنا کی — لفافہ کے دہن میں خط مرا مثلِ زباں ہوگا

بری ہیں خانہ بربادِ گلستاں فکر مسکن سے — جہاں رکھ لیں گے یہ دو چار تنکے آشیاں ہوگا

نمودِ صبحِ پیری اور یہ بد مستیاں بر تر

یونہی تا چند محو لذتِ خوابِ گراں ہوگا

حیرت افزا ان کی خود بینی کا نقشہ ہوگیا — آئینہ جو سامنے آیا وہ اندھا ہوگیا

سرد مہری کا تیرا قاتل جو ایسا ہوگیا — آنچ سے تلوار کی مقتول ٹھنڈا ہوگیا

جب ہوا بندہ فنا فی اللہ مولا ہوگیا — مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہوگیا

المدد اے گریۂ اشکِ ندامت المدد — رختِ ہستی گردِ عصیاں سے میلا ہوگیا

چارہ گر اب کیا کریں گے سوزِ پنہاں کا علاج — آفتابِ حشر بھی زخموں کا پھاہا ہوگیا

بیخودیٔ دید پر میری بہت ہیں طعنہ زن — آئینہ کو دیکھتے ہی اب تمہیں کیا ہوگیا

سامنے ان کے نہ نکلی منہ سے کوئی بات تک — حرفِ شکوہ بھی مرے دل کی تمنا ہوگیا

یہ ہے اک ادنیٰ صفت ہر دلعزیزی کی مرے — اک زمانہ ہوگیا اس کا جو تیرا ہوگیا

سب اسی کی روشنی تھی اب بجھائی خاکدے — شمع ہستی گل ہوئی ہر سو اندھیرا ہوگیا

تیرہ بختی میں کسی کا کیا ہوا ساتھی کوئی — شام ادھر آئی ادھر ہر سو اندھیرا ہوگیا

جس کو کہتے تھے وفا اگلے زمانہ میں بشر — اس زمانہ میں اسیکا نام عنقا ہوگیا

دید کے قابل ہے صورت آفرینی عشق کی　　آنکھ میں حسرت بنا دل میں تمنا ہوگیا

صبح پیری کی خبر دینے لگے موئے سپید
ابتو برتر کھول آنکھیں دیکھ تڑکا ہوگیا

یادِ رخ میں جب سرِ زلفِ پریشاں بڑھ گیا　　روزِ محشر بنکے طولِ شامِ ہجراں بڑھ گیا
پھر بہار آئی جنونِ فتنہ ساماں بڑھ گیا　　تا بہ دامن پھر مرا چاکِ گریباں بڑھ گیا
دیکھکر رحمت کو تیری نقد آمرزش بکف　　حشر کے بازار میں کیا نرخِ عصیاں بڑھ گیا
تھی تنفس کی ہوا سے ضوفشاں شمع حیات　　سانس رکتے ہی چراغِ زیرِ داماں بڑھ گیا
ششت و شوئے گریۂ شرمِ معاصی کیا کہوں　　پھیل کر کچھ اور بھی ہر داغِ عصیاں بڑھ گیا
یادِ مژگاں نے جولیں ذوقِ جنوں میں چٹکیاں　　اور ذوقِ کاوشِ خارِ بیاباں بڑھ گیا
زندگی کے مرحلے جتنے تھے پیچھے چھٹ گئے　　رفتہ رفتہ توسنِ عمرِ گریزاں بڑھ گیا

لطف سے کٹنے لگی جوشِ جنوں کی زندگی
جب سے اے برتر سرِ تیغِ گریباں بڑھ گیا

ہر رہ گذر میں راہ تیری دیکھتا ہوا　　رہتا ہوں نقشِ پاکیطرح میں پڑا ہوا
پستی سے اور اوجِ بلندی سوا ہوا　　دل سے اتر کے میں ہوں نظر پہ چڑھا ہوا
اب سینہ کو بیاں ہیں نہ صحرا نور دیاں　　لو کہہ گیا جنون کہ ہیں بے دست دیا ہوا
رونے سے ان کے کیوں نہ ہنسے زخمِ دل مرے　　ہے آنسوؤں میں شورِ تبسم گھلا ہوا
پڑتی نہیں ہے اب غلط انداز کیوں نظر　　کیا غیر ہے تمہاری نظر پہ چڑھا ہوا

کس کو مآلِ وعدۂ فردا کی تھی خبر ناحق ہلاکِ طاقتِ صبر آزما ہوا
وارفتگی سے میری سراغِ ستم ملا میں بے پتہ ہوا تو کسی کا پتا ہوا
عالم تو اپنی حشر خرامی کا دیکھ لو ہر نقشِ پا ہے فتنۂ محشر بنا ہوا
کھلتا ہے اور حسن کی پردہ دری سے حسن بندِ قبائے گل نہیں رہتا بندھا ہوا

برتر لحد میں بھی ہے مری جان ضیق میں
پہلو میں ہے رقیب کا مردہ گڑھا ہوا

دل کسی بت پہ مبتلا نہ ہوا بندہ شر مندۂ خدا نہ ہوا
ہجر میں حد سے یہ سوا نہ ہوا درد میرے لئے دوا نہ ہوا
تجھ سا خود بین جو رونما نہ ہوا دل کا آئینہ آئینہ نہ ہوا
بجھ گیا آہ سے دلِ سوزاں گل ہوا سے چراغِ خانہ ہوا
چڑھ رہا ہوں نگاہِ دشمن پر میں برا بن کے بھی برا نہ ہوا
ہوں تو افتادگی پسند مگر میں رقیبوں کا نقشِ پا نہ ہوا
آتشِ گل بھڑک اٹھی افسوس خاک بلبل کا آشیانہ ہوا
شکر ہے بزمِ یار سے نکلا مدعی میرا مدعا نہ ہوا
بت بنے بندۂ خدا لاکھوں بت کوئی آج تک خدا نہ ہوا
نزع میں ان کا ایک بیک آنا ناگہاں موت کا بہانہ ہوا
ہم بھی دل والے تھے کبھی لیکن اس کو مدت ہوئی زمانہ ہوا
کیا سبک رو ہیں رہ روانِ عدم آشکار ان کا نقشِ پا نہ ہوا

کتنا بیگانہ خو رہا برتر
کوئی بھی اس کا ہم نوا نہ ہوا

نیرنگ ساز پست و بلندِ جہاں نہ تھا — جس سرزمیں پہ ہم تھے وہاں آسماں نہ تھا
جب تک کہ دورِ گردشِ چشمِ بتاں نہ تھا — چکر میں یہ زمین نہ تھی آسماں نہ تھا
دم لیتے ہم ٹھہر کے کسی جا پہ کیا مجال — قابو کا اپنے توسنِ عمرِ رواں نہ تھا
دلوائی سخت جانیٔ بسمل نے صدا اسے — قاتل کے دل میں ورنہ سرِ امتحان نہ تھا
افتادگی پسند جو سوزِ وفا کو تھی — سر سے بلند شمعِ لحد کا دھواں نہ تھا
مرقد میں بھی رہیں جو مقدر کی گردشیں — نیچے زمین کے تو کوئی آسماں نہ تھا
دیتا ہمارے نالۂ موزوں کی داد کون — اپنا تو اس چمن میں کوئی ہم زبان نہ تھا
رگ رگ میں کاوشِ غمِ پنہاں تھی نیش زن — اب کیا بتاؤں درد کہاں تھا کہاں نہ تھا
کیا جانے کیوں خلش ہی رہی برق و باد کو — اتنا بلند بھی تو مرا آشیاں نہ تھا
قیدِ جنوں سے پاؤں نکلتے تو کس طرح — کیا پاسِ وضع میرے لئے بیڑیاں نہ تھا
میں اور شکوۂ غمِ ہجراں غلط دروغ — دشمن کا وہ بیان تھا میرا بیان نہ تھا
اخفائے رازِ جور کی صورت تھی جب مری — تیرِ نظر کے زخم کا دل پر نشاں نہ تھا

اس کی نظر میں برقِ تجلیٰ ہے جلوہ ریز
برتر فریبِ خوردۂ حسنِ بتاں نہ تھا

عذابِ جاں نہ ہوتا سر پٹکنا وحشتِ دل کا — کوئی ٹکڑا جو مل جاتا مزارِ قیس کی سل کا

نکلنا جسم سے دشوار ہے اب روحِ بسمل کا
رگِ گردن میں دم اٹکا ہوا ہے تیغِ قاتل کا

نکل جائے گا ارمانِ رفو ہر زخمِ بسمل کا
کسی دن مل گیا ڈورا اگر شمشیرِ قاتل کا

ہوائے آہِ سوزاں وحشیٔ گیسو لے باندھی ہے
دھواں جو اٹھ رہا ہے پیچ کھا کر شمعِ محفل کا

یہ کس پردہ نشیں کی جلوہ گاہِ ناز ہے یارب
کہ پردہ تک نہیں اٹھتا حریمِ خلوتِ دل کا

نظر بے تاب پراں ہوش، فق رنگت جگر مضطر
تماشہ اور دیکھو اضطرابِ نبضِ بسمل کا

گراں باریٔ احساں خود بہت دشوار ہے ورنہ
کوئی مشکل نہیں آسان ہونا میری مشکل کا

وہ ہوں گم کردہ راہِ طلب تھک کر جہاں بیٹھا
غبارِ راہ اٹھ اٹھ کر پتہ دیتا ہے منزل کا

عبث لیلیٰ ہوئی محجوب شانِ بے حجابی سے
کہ رنگِ بے خودیٔ قیس خود پردہ تھا محمل کا

رہی قسمت وہ ہوں بھر لے نہ پائے پھر قیامت تک
بنائے ملنگنے والے اگر کاسہ مری گِل کا

بچے گی کشتیٔ عمرِ رواں اب کس طرح یارب
کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا شمشیرِ قاتل کا

خمارِ بادۂ ہستی سے پھر وہ سرگراں کیوں ہو
جسے مل جائے قطرہ بھی شرابِ شیشۂ دل کا

مجھے پرواہ نہیں اپنے سفینے کی غم اسکا ہے
الٰہی دل نہ بھاری ہو سبک سارانِ ساحل کا

ماں اندیشوں کی ناتواں بینی تھی اے برتر
نہ اٹھا بار، الفت بھی گلِ رخسار کے تل کا

کب کوئی وحشیٔ الفت دید کے قابل بنا
حیرت آموزِ نظر خود اضطراب دل بنا

رہ نوردِ جادۂ الفت جب اپنا دل بنا
جو قدم پہلا اٹھا وہ آخری منزل کا بنا

زورِ ناکامیٔ قسمت پر نہ اپنا چل سکا
مفت میں منت پذیرِ سعیِ لاحاصل بنا

دیکھ کر مجھ کو تڑپتا کٹ گیا دلمیں عدو
آپ کا بسمل جو تھا دشمن کا وہ قاتل کا بنا

تیرہ بختی سے ہوا حاصل مقدر کا فروغ — ماہِ نو داغوں کے صدقے میں مہ کامل بنا
حیرت آموز نظران کا ہے حسنِ بے حجاب — اٹھ گیا جب رخ سے پردہ پردۂ حائل بنا
جذبِ ہم جنسی سے آخر تفرقے سب مٹ گئے — بعد مردن جسم خاکی اپنا گلِ درگلِ بنا
رفتہ رفتہ حسرت ذوقِ تپیدہ مٹ گئی — پہلوئے تسکیں حریفِ اضطرابِ دل بنا
اس سے بڑھ کر اور کیا جذبِ خلش کا ہو اثر — تیر جو چٹکی میں تھا پہلو نشینِ دل بنا
خم ہوئی گردن نہ بارِ منت اغیار سے — حاصل کونین ذوقِ سعی لا حاصل بنا
جلوۂ حسن ازل تو ہے ازل سے بے حجاب — خود مری آنکھوں کا پردہ پردۂ حائل بنا
رہ گئے جس کی گراں باری سے درماندہ ملک — دیکھنا ہمت، بشر اس بوجھ کا حامل بنا
اس قدر طولِ امل اور اس کا اتنا اختصار — بہرِ تکوینِ دو عالم یک دو حرفی دل بنا
حسن ان کا جب ہوا ہنگامہ سازِ بزم غیر — یہ دلِ رشک آفریں شمع سرِ محفل بنا
بحرِ ہستی کا تلاطم جب ہوا پیشِ نظر — آشنائے بحرِ غم منت کشِ ساحل بنا
نفع کیا کا ہیدگی بخت تیرہ سے مجھے — وہ جو سمٹا بھی تو آنکھوں کا کسی کی تل بنا

دیکھنا کیا جذبِ فیضان جناب شادؔ ہے
برترؔ عزلت نشیں بھی در خورِ محفل بنا

نیرنگ ساز جلوہ ہے کیا حسنِ یار کا — منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ دار کا
ایما یہی ہے خنجرِ ابروئے یار کا — دل ایک وار کا ہے جگر ایک وار کا
مرنے کا غم ہے کوئی نہ جینے کی ہے خوشی — یہ اختیار کا ہے نہ وہ اختیار کا
ہوتی نہیں ہے قدرِ بشر زندگی میں کچھ — پیدل کو مر کے ملتا ہے درجہ سوار کا
بٹھلا نہ اپنی بزم میں ظالم رقیب کو — اٹھے گا اعتبار ترے اعتبار کا

معلوم ہم کو جنت و دوزخ کا حال ہے — وہ غیر کی گلی ہے یہ کوچہ ہے یار کا

ہم بزمیٔ رقیب سے انکار اس قدر — عالم تو دیکھ لو نگہ شرمسار کا

مہر دہن ہے تاب تکلم بنی ہوئی — کھلتا نہیں ہے راز ترے رازدار کا

اک مشتِ خاک اور فلک رس خدا کی شان — وہ حوصلہ بڑھاتے ہیں میرے غبار کا

جس شورِ حشر کا ہے بڑا شور دہر میں — ہلکا سا غل ہے میرے شکستِ خمار کا

بربادیوں میں جان ہی پڑنے کی دیر ہے — پتلا تو بن چکا ہے ہمارے غبار کا

کہتا ہے یک جہاں جسے نیلی ردائے چرخ — اترا ہوا غلاف ہے میرے مزار کا

برتر کو خوف گردشِ نہہ آسماں سے کیا
وہ ہے غلام پنجتن و چاریار کا

خیالِ کاوشِ نوکِ مژہ کیا دل سے نکلے گا — کہ دل پیکاں سے نکلا ہے کہ پیکاں دل سے نکلیگا

خیالِ حسرتِ خوں گشتہ کیوں کر دل سے نکلے گا — بڑی مشکل سے یہ رنگِ حنا اس سل سے نکلیگا

گزرنا درد کا حد سے ہے اک صورت مداوے کی — نیا پہلوئے تسکیں اضطرابِ دل سے نکلیگا

ہوا باندھے گا جب اوجِ مآلِ سوزِ پروانہ — دھواں بن کر سرِ شمع سرِ محفل سے نکلیگا

نیا نقشہ جمے گا چشم تر کی آبیاری سے — کوئی تازہ شگوفہ میری آب و گل سے نکلیگا

کریگا آبیاری نخلِ ماتم کی سرِ مقتل — جو فوارہ لہو کا گردنِ بسمل سے نکلیگا

نیارا نگریزیٔ مجنوں بنے گی پردہ در اس کی — اگر لیلیٰ کا چہرہ پردۂ محمل سے نکلیگا

بنے گی رہنمائے یاس بھی امید کی صورت — پتہ منزل کا خود ناکامیٔ منزل سے نکلیگا

سرِ مقتل دو طرفہ رنگ لائیگا سرِ کشتن — کہ خنجر میاں سے دم سینۂ بسمل سے نکلیگا

اسے بھی کرتے ہیں تعبیر جنت سے تو پھر بیشک بنی آدم جو ہوگا وہ تری محفل سے نکلیگا
عیاں ہوکر رہے گا جذبۂ فطری محبت کا وہ نالہ دل نشیں ہوجائے گا جو دل سے نکلیگا
سرِ خوئے جفا ہو یا تمنائے وفا کوشی نہ میرے دل سے نکلے گا نہ ان کے دل سے نکلیگا
زمین و آسماں زیر و زبر ہوجائیں گے برتر
ہمارا نالۂ بے تاب جس دن دل سے نکلیگا

بہار افزا ہے کیا جھونکا ہوائے آہِ سوزاں کا وہ گل ہونے لگا شعلہ چراغِ شام ہجراں کا
مرض خود بن گیا پردہ ترے بیمارِ ہجراں کا کہ پہلے مردنی چھائی کفن نے بعد منہ ڈھانکا
اسیرِ زلف ہے دل قید ہیں دل میں تمنائیں ستم گر دیکھ لے نقشہ نیازنداں میں زنداں کا
تنفس منزلِ ہستی میں دم لے کس طرح آخر غبارِ راہ ہے یہ توسنِ عمرِ گریزاں کا
جلائی تابِ نظارہ متاعِ ہوش بھی پھونکی یہ کوئی برقِ ایمن تھی کہ جلوہ حسنِ جاناں کا
خطر بادِ حوادث سے نہیں کچھ گوشہ گیروں کو بہت مشکل ہے گل ہونا چراغِ زیرِ داماں کا
غبارِ راہ ہے باقی نہ ہے نقشِ قدم کوئی نشاں ہاتھ آئے کیوں کر توسنِ عمر گریزاں کا
اجل مجبوب قاتل سرنگوں ، احباب وارفتہ اٹھا یا کس طرح لاشہ شہید تیغِ احساں کا
تصدق کس پہ ہوں پروانۂ شمع سخن برتر
چراغِ صبح گاہی میں ہوں اب بزمِ سخنداں کا

غبار آلودہ چہرہ رہ گیا سعئ سکندر کا ہوا کب آئینہ سے حال آئینہ مقدر کا
میانِ دیر و کعبہ اور یہ اعجاز پتھر کا کسی پر کیا کھلے یہ بھید ہے اللہ کے گھر کا

قیامت ہے مئے گلگوں سے دھبے خشک ہوتے ہیں — ادھر بھی کوئی چھینٹا میرے ساقی آتشِ تر کا
بڑھا دو زندگی طالبِ دیدار کہہ بھی دو — وہی چلتا ہوا فقرہ فریبِ روزِ محشر کا
عبث ہے داد خواہان ستم سے حشر میں کھٹکا — دہانِ زخم میں بھر دیجئے گا شور محشر کا
قیامت سے لڑاتے ہو عبث قامت کے فتنوں کو — مزا جب تھا مقابل بھی کوئی ہوتا برابر کا
نصیبہ کا سکندر ہے اگر دشمن تو پرواکیا — ہمیں معلوم ہے پھوٹا نصیبہ تھا سکندر کا
ترے جلوے کی شوخی کب ہوئی محجوب نظارہ — بنا آنکھوں کا پردہ اٹھ کے پردہ روزنِ در کا
بنیں گی میری آنکھیں جلوہ زارِ حسن کی راہیں — پتہ چل جائے گا اک دن بہرِ صورت ترے در کا
قیامت میں جنوں کی روک تھام اچھی طرح ہوگی — مرے چاروں طرف حلقہ رہے گا اہل محشر کا
یہیں اے ابر رحمت شست و شو کر دے گناہوں کی — پڑے دامانِ محشر پر نہ دھبہ دامن تر کا
اثر ایسا دکھایا گرمیٔ خونِ شہیداں نے — پسینہ بن کے پانی بہہ گیا قاتل کے خنجر کا

فرشتے کہتے ہیں سنگِ ترازو ہیں بہت ہلکے
تلے کس طرح یا رب نامۂ اعمال برتر کا

وفا پسند ہوں دل ہے جفا پسند مرا — گزند اب نہیں دیتا مجھے گزند مرا
کیا پسند حسینوں نے اس قدر اس کو — کہ رفتہ رفتہ ہوا دل بھی خود پسند مرا
بنے زباں ستائش کو عضو عضوِ بدن — جدا کرے ترا خنجر جو بند بند مرا
اٹھائے ناز اس انداز سے محبت میں — کہ اب تو نازِ بتاں ہے نیاز مند مرا
عروج سوزِ محبت میں سر کٹا کے ملا — مثالِ شمع ہوا نام سر بلند مرا
ہوائے وصل میں دل کا کیا کہ جان بھی کھوئی — امیدِ نفع میں نقصان ہوا دو چند مرا

الٰہی دل کی ہر اک آرزو نکل جائے		پسند ہو جو دلِ آرزو پسند مرا
گلے سے خنجر قاتل ملے گا آج ضرور		پھڑک رہا ہے خوشی سے جو بند بند مرا
وصالِ آرزوئے شوق دیکھتے کیا ہو		وہ بے نیاز لقب ہے نیاز مند مرا
ہوائے نالہ موزوں بند ہے بند ہے نہ بند ہے		مگر کبھی لبِ فریاد ہو نہ بند مرا

غلامِ ہمتِ مولیٰ ہوں دل سے اے برتر
رہا نہ کام زمانے میں کوئی بند مرا

کچھ ایسا حیرت افزاء جلوہ دیدارِ قاتل تھا		کہ دامانِ نظر عکسِ حجابِ چشمِ بسمل تھا
طلب گارِ قضا تھی جان مجبوب وفا دل تھا		یہ مرنا جس قدر آسان تھا اتنا ہی مشکل تھا
نہ تھا معلوم مرگ و زیست میں ہے فاصلہ کتنا		کھلا یہ حال مقتل میں کہ خنجر حدِ فاصل تھا
صفائی پھر کہاں باہم کدورت جب ہوئی پیدا		ترے پرتو سے آئینہ مرا آئینۂ دل تھا
انا لیلیٰ انا لیلیٰ جو کہتا تھا تصور میں		دلِ مجنوں نہ تھا اک حلقہ آغوشِ محمل تھا
نہ ہوتی صبح محشر کیوں عیاں چاکِ گریباں سے		کہ جوش شورش وحشت بقدر وسعت دل تھا
بنا وجہ تن آسانی یہ پاسِ ناز کی ورنہ		مرے دھوکے میں آجانا ترا کیا کوئی مشکل تھا
قدم کیا خاک بڑھتے جادہ پیمائے محبت کے		کہ اپنے جوشِ گریہ سے وہ خود ہی پائے در گل تھا
جلاتا رشکِ ہم بزمی دشمن اور کیا بھلا مجھ کو		بہ ظاہر تھا ترا پروانہ لیکن شمع محفل تھا
زباں ہلتی نہیں اب ضعف سے دیوانہ پن کیسا		مرا جوشِ جنوں تو بستۂ شورِ سلاسل تھا
نہ ہوتی زندگی کیوں قطع اس کی تارِ گریہ سے		کہ اشک شمع، آبِ آہنِ شمشیر قاتل تھا

تصور میں مزے تھے حسرتِ دیدار کے برتر
کہ شرمِ ناز مانع تھی نہ پردہ کوئی حائل تھا

تکلف دیکھنا عمرِ رواں کا قضا ہے نام میرے پاسباں کا
گلہ کیا انقلابِ آسماں کا تغیر رنگ بدلے گا جہاں کا
سرِ بشکستن عہدِ وفا جھوٹ کوئی پیماں نہیں تیری زباں کا
مٹے خود بینوں سے صورتِ رشک وہ خود کب رازداں ہے رازداں کا
گدازِ دل سے شمع انجمن ہوں مزا ہے گرمیٔ حسنِ بیاں کا
نظر میں تم پھرو یا دل میں ٹھیرو تکلف ہو نہ پردہ درمیاں کا
نہیں سرشارِ کیفِ حسرتِ دید حجاب آموز ہوں حسنِ بتاں کا
بنوں آئینۂ جورِ فراواں دکھا دوں ان کو نقشہ امتحاں کا
عروجِ گردشِ دیوانگی ہو رہے پاؤں میں چکر آسمان کا
ہوئی خوئے جفا وجہ تسلی نہیں کچھ غم نشاطِ دشمناں کا
کہوں افتادِ بختِ لاغری کیا زمیں ہے ایک پرتو آسماں کا
دلیلِ ہستی و شکلِ عدم ہوں نشاں ہوں سایۂ عمرِ رواں کا
چراغِ طور ہے زخموں کی بتی تجلی درد ہے سوزِ نہاں کا
بنا ہے طالعٔ بیدارِ دشمن نگہباں ضعف ہے خوابِ گراں کا
ارا شرکتِ بیداد کب ہے مجھے غم ہے نصیبِ دشمناں کا
گردش ہے وابستہ اسی سے رکے پھر خاک چکر آسماں کا

نگاہِ قیس کیا لیلیٰ سے لڑتی ہجومِ رشک و پردہ سارباں کا

عجب کیا نغمۂ برترؔ بھلا دے

ترانہ بلبلِ ہندوستاں کا

بنایا مدعی کو تو نے ہم رازِ ستم اچھا نہیں ہے یہ ستم اے فتنہ پردازِ ستم اچھا

ستم پر ور ہے تو تیرا ہر اندازِ ستم اچھا تری تمکین جور اچھی ترا نازِ ستم اچھا

پر افشانی ترے تیر نظر کی کھلتی جاتی ہے مرا رنگِ پریدہ بھی ہے غمازِ ستم اچھا

تمہیں ہوتی ہے خفت یا ستم کش ہار جاتے ہیں کسی دن دیکھ لو تم دے کے آوازِ ستم اچھا

شباب جورِ بے حد اور اس پیرانہ سالی پر بنایا آسماں کو تم نے ممتازِ ستم اچھا

نظر آنے لگی صورت انہیں اپنی جفاؤں کی تحیر ہی مرا ہے آئینہ سازِ ستم اچھا

یہ مانا اب ستم ایجاد تم جیسا نہیں لیکن دکھا دو کوئی مجھ سا بھی تو جاں بازِ ستم اچھا

تماشہ دیکھنا منظور ہے اب رقصِ بسمل کا مری جاں چھیڑ کر دیکھو کوئی سازِ ستم اچھا

پرانی ہو گئی تقلیدِ گردوں لطف کیا اس میں کوئی پیدا کرو اب اور اندازِ ستم اچھا

حنا کو پہلے جو پستے تھے اب وہ ہاتھ ملتے ہیں نہ انجامِ ستم اچھا نہ آغازِ ستم اچھا

تری پہلو تہی سے مٹ گیا جذبِ خلش آخر ہوا زخمِ جگر او ناوک اندازِ ستم اچھا

تری آنکھوں سے آنکھیں عمر بھر اس نے لڑائی ہیں

نہیں اب کوئی برترؔ سا نظر بازِ ستم اچھا

لذتِ ذوقِ تپش ملتے ہی بسمل ہو گیا دل مرا وارفتۂ اندازِ قاتل ہو گیا

خوگرِ طولِ شبِ فرقت مرا دل ہوگیا　　زندگی کیسی کہ اب مرنا بھی مشکل ہوگیا
دیکھ لی پابندیٔ عہد وفائے مدعی　　کہیے اب تو امتیاز حق و باطل ہوگیا
خودنمائی کیا کہ خودبینی بھی دل سے مٹ گئی　　آئینہ جب روئے روشن کے مقابل ہوگیا
شمع کیا پروانہ کیا کوئی بھی آپے میں نہیں　　کس کا جلوہ یہ حریفِ حسنِ محفل ہوگیا
پھر اسی پیماں شکن کے عہد و پیمان کا خیال　　دل مرا دلدادۂ تحصیلِ حاصل ہوگیا
خوب روکا گریہ بے اختیارِ شوق نے　　روتے روتے اور بھی میں پائے در گل ہوگیا
نازبردارِ ستم سے نازِ بے جا اس قدر　　بے نیازی کا تری دشمن بھی قائل ہوگیا
ہیں طریقِ عشق کی مجبوریاں بھی کیا غضب　　کام تھا جو سہل تر مشکل سے مشکل ہوگیا

چشمِ ساقی ہو کشیدہ جب تو برتر فائدہ
لاکھ ہونے کو شریکِ دورِ محفل ہوگیا

زیادہ مانگنا اچھا کسی سے ہے نہ کم اچھا　　سوالِ اہلِ حاجت ہے بہ اندازِ کرم اچھا
خیالِ دیر اچھا ہے نہ سودائے حرم اچھا　　خدائی میں جو رہ جائے تو سب سے ہے بھرم اچھا
قیامت نے کہا اٹھ کر تو فتنے بیٹھ کر بولے　　تری رفتار اچھی ہے ترا نقشِ قدم اچھا
شباب اک چیز تھا جو لے گیا سب حسن ساتھ اپنے　　شکن ابرو میں اب اچھی نہ اب زلفوں میں خم اچھا
اثر پیدا کرے گا زہر آبِ زندگانی کا　　کسی دن دیکھ لو تم دیکھے ان ہاتھوں سے سم اچھا
مزے سے پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مرقد میں　　اگر ہم سے کوئی پوچھے تو ہستی سے عدم اچھا
بنایا قبلۂ مقصود اپنا کوئے جاناں کو　　محبت نے چکایا قضیۂ دیر و حرم اچھا
کسی پہلو سے ہو، کیسا ہی ہو احسان پھر احساں ہے　　عنایت دوست کی اچھی نہ دشمن کا کرم اچھا

خوشی منظور ہے تیری خوشی جینے کی ہے کس کو　　اگر مرنا ہی اچھا ہے تو مر جاتے ہیں ہم اچھا
بہارِ خارزارِ حسرت و ارماں بری کیا ہے　　کہ ہے الجھا ہوا دامانِ آہ برق دم اچھا
مزاجِ درد مندانِ وفا بھی لا و بالی ہے　　کرم ان کو برا معلوم ہوتا ہے ستم اچھا
مبارک آپ کو عیش و مسرت خانۂ دنیا　　ہم اچھے دردِ دل اچھا ہمارا رنج و غم اچھا
جو خط میں حرفِ مطلب تھے انھیں پر خاک ڈالی تھی　　غبار آیا کسی کے دل میں ہنگامِ رقم اچھا

خدا بھی اب اگر پوچھے تو اچھا ہی کہیں برتر
کسی بے رحم کو جب کہہ چکے ہیں منہ سے ہم اچھا

عالمِ سر گشتگی اپنا یونہی اکثر رہا　　تھک گئے جب پاؤں تو تقدیر کا چکر رہا
پردہ دارِ حسنِ جاناں دیکھنا کیوں کر رہا　　عمر بھر محوِ نظارہ آپ سے باہر رہا
مہرباں جب وہ ہوئے تو مہربانی بڑھ گئی　　اک نہ اک صدمہ ہماری جان پر اکثر رہا
مٹ گیا کوچہ میں اس کے صورتِ نقشِ قدم　　جو مری تقدیر میں ہونا تھا وہ ہو کر رہا
بن گیا عہدِ جفا دستِ تہ سنگ آمدہ　　ورنہ وہ بھی میری حالت پر بہت مضطر رہا
لوحِ دل پر ہر گھڑی کھنچتے رہے نقشے نئے　　بزمِ خلوت میں تصور تیرا صورت گر رہا
ہو گئی نسبت خمِ مے سے عروجِ نشہ میں　　شکلِ گردوں رات دن چکر میں میرا سر رہا
کیا نئی صورت سے کی تقدیر کی بربادیاں　　اپنی ہی آہوں سے وقفِ دامنِ صرصر رہا
بدگمانی سے جو رہتا ہوں نگاہوں میں تری　　خوب پہلو خیر کا پیدا میانِ شر رہا
پہلوئے تسکیں خیالِ نوکِ مژگاں میں کہاں　　خارزارِ کاوشِ غم پر مرا بستر رہا
عمر بھر جمتے رہے نقشے بتانِ دہر کے　　خانۂ دل بھی مرا بیت خانۂ آذر رہا

بوالہوس اغیار تھے دو دن میں سب چلتے ہوئے
اک فقط ثابت قدم نادر علی برترؔ رہا

خیر ہو پھر مجھ کو عشقِ سنگِ در پیدا ہوا — پھر ہوا جوشِ جنوں پھر دردِ سر پیدا ہوا
کوچہ دشمن میں کس کے نقشِ پا کا ہے نشاں — دیکھنا کیسا چراغِ رہ گزر پیدا ہوا
بعدِ مردن بھی وہی ہے التہابِ سوزِ عشق — جب ہوا ٹکرائی تربت سے شرر پیدا ہوا
آج کل نظروں پہ ان کی چڑھ رہا ہے مدعی — کاوشِ دل کے لئے خارِ نظر پیدا ہوا
غیر حالِ نزاع بھی ہے کس قدر عبرت فزا — مجھ کو دردِ حالتِ نوعِ دگر پیدا ہوا

چین آزارِ محبت دے کسی پہلو کہاں
دردِ ادھر جب مٹ گیا برترؔ ادھر پیدا ہوا

بے قراری کا کوئی ضعف میں پہلو نہ ہوا — خاک پر گر کے بھی غلطاں کوئی آنسو نہ ہوا
کیوں حیا سے نہ ہوئی برہمی بزمِ عدو — کیوں تمھارا خمِ گردن خمِ گیسو نہ ہوا
راست بازانِ وفا کو ہے کجی سے نفرت — بیدِ مجنوں کبھی شاخِ سرِ مجنوں نہ ہوا
ضعف نے رازِ محبت کو چھپایا کیا کیا — پردۂ چشم سے باہر کوئی آنسو نہ ہوا
تو ہی کہہ دے سرِ تسلیم جھکے گا کیوں کر — بیتِ کعبہ جو ترا گوشۂ ابرو نہ ہوا
کچھ تو آتے ستم و جور کے عاشق کو مزے — اے فلک تیری جگہ وہ بتِ بد خو نہ ہوا
کس سہارے پہ اٹھوں دردِ جگر کہتا ہے — تیرِ دل دوز بھی تو قوتِ بازو نہ ہوا
صاف باطن کو ہے آرائشِ ظاہر سے حذر — بالمثل چادرِ مہتاب پہ اتو نہ ہوا

مر کے بھی دی ہے شہیدوں نے ستم کو زینت　　خون جم کر رخِ شمشیر کا گلگو نہ ہوا

کچھ نہ کچھ درد جگر رنگ جماتا لیکن　　تیرہ بختی سے کبھی خانۂ گیسو نہ ہوا

ہوں سبک روح مگر بارِ نقاہت کے سبب　　کبھی آوارہ وطن میں صفتِ بو نہ ہوا

شعر کہتے تو ہوا اک عمر سے برتر لیکن

تم کو اب تک سرِ فہمیدنِ اردو نہ ہوا

صدا سنتے ہی تیری کہہ کے الا اللہ اٹھ بیٹھا　　مریضِ شامِ غم بستر پہ خاطر خواہ اٹھ بیٹھا

وہ محوِ خواب سن کر نالۂ جانکاہ اٹھ بیٹھا　　یہ پھر سو یا ہوا فتنہ الٰہی آہ اٹھ بیٹھا

حقیقت لن ترانی کی وہیں ہو جائے گی روشن　　اگر وارفتۂ شمعِ تجلی گاہ اٹھ بیٹھا

خدنگِ ناز تیرا تو پرا فشاں چلدیا لیکن　　مراد ردِ جگر بیٹھے بیٹھائے آہ اٹھ بیٹھا

قرار اک حال پر مجھ کو نہیں دم بھر شبِ وعدہ　　نظر ہے جانبِ درگاہ لیٹا گاہ اٹھ بیٹھا

ہوا باندھی ہے کس افتادۂ راہ محبت نے　　کہ دشمن بزم سے شکلِ غبارِ راہ اٹھ بیٹھا

نہ کی تاخیر بھی دم بھر عدم کے جانے والے نے　　اجل جو وقت آئی کہہ کے بسم اللہ اٹھ بیٹھا

ہوا غل بزم میں دبتے ہیں یوں فتنے قیامت سے　　بگڑ کر جب وہ غیروں سے مرے ہمراہ اٹھ بیٹھا

وہ پھیلی میرے آہِ پر شرر کی روشنی شب کو　　سمجھ کر نور کا تڑکا وہ رشکِ ماہ اٹھ بیٹھا

توکل میں گزرتی ہے بڑے آرام سے برتر

کہ لمبی تان کر سویا تو بے پرواہ اٹھ بیٹھا

ضد سے خالی نہیں آنا سرِ مدفن ان کا　　شمعِ تربت نہ بجھادے کہیں دامن ان کا

قتل کرتے ہیں دوبارہ وہ پشیمان ہو کر ۔۔۔ خم ہے شمشیر کا گویا خمِ گردن ان کا
کیوں نہ بے خوف پھریں نکہت گل کی صورت ۔۔۔ باغباں ان کا ہے گل ان کا ہے گلشن ان کا
پردہ پوشی سے تو کچھ اور ابھر آتا ہے ۔۔۔ اب مرا داغِ جگر ہو گیا جوبن ان کا
صورتِ شمع جو خنداں ہیں سرِ بزمِ نشاط ۔۔۔ رونے والا نہیں کوئی سرِ مدفن ان کا
طوق گردن میں وہاں پاؤں میں زنجیر یہاں ۔۔۔ مل گیا اب مری وحشت سے لڑکپن ان کا
کون سنتا ہے اسیرانِ بلاکی فریاد ۔۔۔ صورتِ نالۂ زنجیر ہے شیون ان کا

زندہ درگور جو تھے ان کی گلی میں برتر
حال کیا جانے ہوا کیا پسِ مردن ان کا

ضعف سے زور چل نہیں سکتا ۔۔۔ درد پہلو بدل نہیں سکتا
میرا ارمان بن کے بیٹھا ہے ۔۔۔ غیر ٹالے سے ٹل نہیں سکتا
دل میں ہے یہ ہجومِ رنج و الم ۔۔۔ درد بھی اب نکل نہیں سکتا
کھو دیا بے خودی نے حسرت کو ۔۔۔ ہاتھ بھی ہائے مل نہیں سکتا
دلِ ناداں بھی آپ کی ضد ہے ۔۔۔ کسی صورت بہل نہیں سکتا
شکوۂ ہجر سن کے کہتے ہیں ۔۔۔ کوئی قسمت بدل نہیں سکتا
ایک پردہ نشیں کا ہے ارماں ۔۔۔ دل سے میرے نکل نہیں سکتا
صورتِ اشک گر کے نظروں سے ۔۔۔ دلِ مضطر سنبھل نہیں سکتا
کیا بنوں شوخ مثلِ چشم عدو ۔۔۔ پانی آنکھوں کا ڈھل نہیں سکتا
کیا کہوں حالِ تلخیٔ ہجراں ۔۔۔ زہر منہ سے اگل نہیں سکتا

کچھ دمِ سرد ہے مرا دل بھی سوزِ پنہاں سے جل نہیں سکتا
یار چلتا ہوا ہے اسے برترؔ
کوئی فقرہ بھی چل نہیں سکتا

بے نشاں زخمِ دل کا داغ ہوا گھر یہ افسوس بے چراغ ہوا
خانہ ویرانیٔ الم معلوم جانشیں زخمِ دل کا داغ ہوا
مل گیا بے خودی سے میرا پتہ آپ ہی اپنا میں سراغ ہوا
گل کھلے دل میں داغِ عارض سے خوب سر سبز خانہ باغ ہوا
دامنِ یاس دے گیا جھونکا شوق و ارماں کا گل چراغ ہوا
یاس و بارِ گران منتِ شوق خوب حاصل مجھے فراغ ہوا
ہوں وہ پامالِ نقشِ پا بن کر کوئے جاناں کا میں سراغ ہوا
جوشِ وحشت ہوا ہے خانہ ساز گھر مرا شکلِ کوہ و راغ ہوا
دیکھ کر خوبیٔ گلِ عارض دلِ مشتاق باغ باغ ہوا
اثر نالہ ہائے نیم شبی یعنی وہ اور بد دماغ ہوا
ہو چکی قدرِ نغمۂ بلبل ہم نوا بوستاں میں زاغ ہوا
شوقِ اظہارِ وصل پر برترؔ
بولے " اللہ یہ دماغ ہوا "

جنوں میں ہے یہ ہر دم شوق دامن گیر پتھر کا کہ ہو پاؤں میں بھی ہر حلقۂ زنجیر پتھر کا

کسی کے سنگِ در سے سر ہی ٹکرایا کریں آخر
اثر کب تک دکھائے گا خطِ تقدیر پتھر کا

جوابِ عرضِ مطلب کیا بتانِ سنگ دل دیتے
کبھی گویا نہیں ہوتا لبِ تصویر پتھر کا

اشارے ہیں گلوئے سخت جاں کے یہ سرِ مقتل
ستمگر کیا بگاڑے گی تری شمشیر پتھر کا

نہیں مٹتی جو شوریدہ سری قسمتِ واژوں
ترا دل بھی ہے کیا اے کاتبِ تقدیر پتھر کا

حکایاتِ جفا پر سنگدل ہنس ہنس کے کہتا ہے
خدا سے مانگ لے کوئی دلِ دلگیر پتھر کا

لکھا لوحِ جبیں کا مٹ نہیں سکتا کسی صورت
مری قسمت میں ہر ہر حرف ہے تحریر پتھر کا

سرِ نخوت جھکاتے ہیں بتانِ سنگ دل خود ہی
نصیب اچھا بتوں سے ہے بہر تقدیر پتھر کا

کہاں جاؤں نکل کر محبسِ سنگِ حوادث سے
احاطہ کھینچ رہا ہے گردِ دودِ تیر پتھر کا

کلوخ اندازیاں نالوں کی الٹا کام دیتی ہیں
یہ ظاہر ہے اثر رکھتا ہے چرخِ پیر پتھر کا

بغیر از سخت جانی کچھ نہیں ملبوسِ ہستی میں
مرا دستِ جنوں ہو کیا گریباں گیر پتھر کا

بتانِ دہر ہوں مسجودِ یک عالم نہ کیوں برتر
کہ در پردہ ہے کوئی باعثِ توقیر پتھر کا

جانے کیا ساقی کی آنکھوں نے اشارہ کردیا
نذرِ ساغر آج ہم نے زہد و تقویٰ کردیا

کیا کہوں ان کی نگاہِ لطف نے کیا کردیا
مجھ کو پھر وارفتۂ ذوقِ تمنا کردیا

دل کو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے
اس کے میں قربان جس نے درد پیدا کردیا

م سولی کا کیا تھا واقعی منصور نے
بے سبب تم کو خدائی بھر میں رسوا کردیا

کل تو تھا میخانہ میں لب خشک ساحل کی طرح
آج ساقی نے مجھے قطرہ سے دریا کردیا

واہ کیا چلتی ہوئی ہے تیرے خنجر کی زبان
ہر لبِ زخمِ جگر کو میرے گویا کردیا

تم نے خود پردہ اٹھایا ہو گئے خود بے حجاب
خود تماشائی بنے خود کو تماشا کردیا

سچ تو ہے دیر و حرم کی بھی حقیقت تھی کوئی
تم نے گھر اپنا بنا کر بولا بالا کردیا

خوب چھپ چھپ کر دکھائیں حسن کی نیرنگیاں
خود تو پردے میں رہے عاشق کو رسوا کردیا

کعبہ والوں سے جو پوچھی میں نے منزل یار کی
بت کدے کی سمت چپ کے سے اشارا کردیا

ہم برے سے تھے برے برتر مگر صد شکر ہے
اک نگاہِ شمسؒ نے اچھے سے اچھا کردیا

نہ اترا آئینہ میں عکس ناز خوش جمالی کا
بنا ہے عالمِ تمثال عالم بے مثالی کا

خزانہ غیب سے پایا ہے مالِ لازوالی کا
بجا ہے ناز جتنا ہو کمالِ بے کمالی کا

چمک بے وجہ زخموں میں نہیں ہے چارہ گر ہرگز
خسوفِ خوردہ ہے ہر عضو میں تیغِ ہلالی کا

گمانِ بدگمانی ہو چلا ساری خدائی سے
خدا ہی اب تو حافظ ہے مزاجِ لاابالی کا

برائے دعوتِ پیرِ طریقت لائے مئے کہنہ
خیال اے ساقیٔ بدمست کر دیرینہ سالی کا

خمار مئے خیالاتِ دو عالم کا ہے آئینہ
نمونہ جامِ جم میں ہے مرے جامِ سفالی کا

نہ رہتا ہے نہ رکھتا ہے ستم گر ایک صورت میں
زمانہ میں نمونہ ہے تری بے اعتدالی کا

نہیں کوئی معین وقت مرگ ناگہاں یا رب
مرے دل کو رہے کھٹکا نہ کیوں اس آنیوالی کا

نہ نیند آئے نہ وہ آئیں نہ دم نکلے نہ دل ٹھیرے
شبِ وعدہ یہ عالم ہے مری حسرت مالی کا

رہا کرتی ہے روشن بزمِ غم اس کی تجلی سے
چراغِ داغِ دل چربہ ہے فانوسِ خیالی کا

کوئی داغِ ندامت ہے نہ کوئی نقص کا دھبہ
مجھے بھی ناز ہے برتر کمالِ بے کمالی کا

جیب بے وحشت میں باقی نے گریباں رہ گیا — یک فقط کہنے کو دامانِ بیاباں رہ گیا
میری حیرت پر نہایت تھا تعجب آپ کو — دیکھتے ہی آئینہ اب کون حیراں رہ گیا
دسترس دستِ زلیخا کو ہوئی بس اس قدر — چاک ہو کر حضرتِ یوسف کا داماں رہ گیا
چلتے چلتے رہ گیا دامن الجھ کر ناز سے — ہو کے ہر ہر گام پر محشر کا ساماں رہ گیا
وقتِ آرائش دکھائیں حسن نے نیرنگیاں — ان کو سکتہ ہو گیا آئینہ حیراں رہ گیا
کھینچنے دو ایک آہ واپسیں تم ہجر میں — پھر مرا ذمہ اگر یہ چرخ گرداں رہ گیا

آ پڑی افتاد ایسی ابتدائے عشق میں
شکر ہے برتر سلامت دین و ایماں رہ گیا

لاغری نے یہ اثر پیدا کیا — دیر تک وہ غور سے دیکھا کیا
اس کو دیکھا اور سکتہ ہو گیا — خامشی نے راز کو افشا کیا
باعثِ شادی ہوا رشکِ رقیب — مار کر تم نے مجھے زندہ کیا
یہ تصور سے ہوا حاصل مجھے — اپنے پہلو میں تجھے دیکھا کیا
دے کے دل تم کو برا ہم نے کیا — جان لی تم نے بہت اچھا کیا
قتل کر کے چپ کھڑے ہیں لاش پر — غالباً پچھتاتے ہیں یہ کیا کیا
چپ تھے سائل جان کر چھیڑا عبث — کیوں دلِ بے تاب تو نے کیا کیا
مستیٔ چشم سخن گو کیا ہوئی — چور کس نے ساغر صہبا کیا
دے کے دل پھرتے ہیں ہم اب سر بکف — اپنے آگے آ گیا اپنا کیا
بولے ہنس کر وہ گزشتہ را صلواۃ — ذکر جب ان سے کبھی اگلا کیا

بے خودی کا ہو برا ہر ایک سے حال ان کی بزم کا پوچھا کیا
ہو گئے باہر خدائی سے مگر
یہ بتوں کا عشق برترؔ کیا کیا

وہ تیغ باندھ کر جو چڑھے اپنے بام پر مریخ کا فلک پہ کلیجہ دہل گیا
برترؔ دمِ سوال نکیرین سے کہوں
میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا

فیضِ صحبت نے زمانے کو زباں داں کر دیا آدمی کو آدمی انساں کو انساں کر دیا
جب بیاں گلشن میں وصفِ روئے جاناں کر دیا بند نطقِ عندلیبانِ خوش الحاں کر دیا
وہ نواسنجِ گلستاں ہوں کہ نغموں نے مرے زاغ کو بھی صورتِ بلبل خوش الحاں کر دیا
صاف خود بینی کا دعویٰ اڑ گیا سیماب سا آئینہ نے مونہہ دکھا کر ان کو حیراں کر دیا
شورِ محشر دیکھئے ہوتا ہے اب کیوں کر بپا صور کو تو میرے نالوں نے پشیماں کر دیا
میں ازل سے نقش بندِ عالمِ اشعار ہوں بات میں جس مور کو چاہا سلیماں کر دیا
لاکھ ٹکڑے کر کے سمجھائے ہر اک تضمین کے
مجھ کو کج فہموں نے اے برترؔ پریشاں کر دیا

نہیں ہے روئے روشن زیرِ زلفِ پُر شکن پیدا تہِ ابرِ سیہ خورشید ہے پنہاں کرن پیدا
دہن سے یہ کہے دیتی ہے سرخیٔ لبِ رنگیں عجب کیا آبِ حیواں میں بھی ہو لعلِ یمن پیدا

بنے قطرن ہمارے استخواں کے بعد مردن بھی — ہوا تھا میں پئے مشقِ ستم کیا ذوالمنن پیدا
رلایا بلبلوں کو خندہ لب ہائے گلگوں سے — دہانِ غنچہ نے طرفہ کیا طرزِ سخن پیدا
خیالِ وصل سے برتر کہیں تسکین ہوتی ہے
اگر سچ پوچھیے تو اور ہوتا ہے محن پیدا

عجب انداز سے میرا غبارِ نا تواں اٹھا — پریشاں ٹھوکریں کھاتا یہاں بیٹھا وہاں بیٹھا
غضب کی ناتوانی تھی کہ کوئے یار سے آخر — مثالِ نقشِ پامٹ کر میں بے نام و نشاں اٹھا
تلاشِ کارواں میں میں بگولہ بن گیا لیکن — مرے آگے نہ یک دن بھی غبارِ کارواں اٹھا
دلِ مضطر پہ میرے ہاتھ رکھ کر ناز سے بولے — تڑپتے رہتے ہو جس درد سے وہ اب کہاں اٹھا
خدا حافظ ہے اب اس گنبدِ گردوں کا اے برتر
دلِ بے تاب سے پھر نالۂ آتش فشاں اٹھا

عُجب و غرور سے نہیں روپوش نقشِ پا — ہے تیری ناز کی سے سبکدوش نقشِ پا
میں ناتواں ہوں کوچہ جاناں میں اس طرح — جیسے پڑا ہو خاک پہ خاموش نقشِ پا
آنے کی ان کے ہوگئی غیروں کو جو خبر — رکھتے ہیں بے گمان مگر گوش نقشِ پا
کس کے خرامِ مست کا روندا ہوا ہے یہ — اس طرح سے پڑا ہے جو بے ہوش نقشِ پا
ملتا ہے کوئے یار میں غیروں کا پھر نشاں — بھڑکا رہا ہے رشک کا پھر جوش نقشِ پا
غیروں کے واسطے تو وہ بنتے ہیں راہبر — اپنا اگرچہ رکھتے نہیں ہوش نقشِ پا

کیا برترِ نقیح کی ہے راہ دیکھتا ؟
کھولا ہے کس کے شوق میں آغوش نقشِ پا

ب

اس طرح چشمِ تصور میں سمائے محبوب
جس طرف آنکھ اٹھاؤں نظر آئے محبوب

ہوں میں وہ گوش بر آواز برائے محبوب
دل دھڑکتا ہے تو آتی ہے صدائے محبوب

اس طرح حسرتِ دیدار مٹائے محبوب
پتلیاں ہوں مری نقشِ کفِ پائے محبوب

میں کہاں اور تجلی گہ محبوب کہاں
رخصت اے حسرتِ دیدارِ لقائے محبوب

ہچکیاں آئی ہیں پیغامِ اجل کیوں لے کر
میں نہ جاؤنگا جو تشریف نہ لائے محبوب

وا اگر ہو تو ابھی خلق کی قسمت کھل جائے
ہے مقدر کی گرہ بند قبائے محبوب

یوں نہ پابندیٔ کونین سے آزاد ہوں ہم
مل گیا سلسلۂ زلفِ رسائے محبوب

راشدِ غنچہ خاطر کی بندھی ہے جو ہوا
کھل گئی ہو نہ کہیں زلفِ دوتائے محبوب

حاملِ بارِ نبوت کے قدم دوش پہ لے
یہ شرف تھا شبِ معراج برائے محبوب

حوریں لی لیتی ہیں بڑھ بڑھ کے بلائیں برتر
دیکھ لیتی ہیں جہاں زلف دو تائے محبوب

انگلیاں اٹھتی ہیں جا نکلے جدھر وحشت نصیب
شکر کی جا ہے کسے ہوتی ہے یہ شہرت نصیب

تربتِ لیلیٰ الگ ہے مرقدِ مجنوں جدا
بعد مرنے بھی ہوئے یکجا نہ یہ فرقت نصیب

دیکھ لیتے ہیں وہ اپنی شکل قالب میں مرے ہاں مری آنکھیں ہیں شکلِ آئینہ حیرت نصیب
قبر پر سنتے ہیں آئیں گے وہ بہرِ فاتحہ اس سے کیا حاصل جو مرنے پر ہوئی دولت نصیب
اڑ کے پہنچی خاک میری دامنِ دل دار تک خاک ساری کی بدولت یہ ہوئی رفعت نصیب
ظلمتِ زندان و عشقِ زلف و شب ہائے فراق کوئی مجھ سا بھی نہ ہوگا دہر میں آفت نصیب

بولے یوں برترؔ خبر سن کر وہ میرے مرگ کی
ہائے جاں بازوں میں لاثانی تھا یہ جنت نصیب

بھولی ہے یادِ گیسوئے پیچانِ یار کب لوٹا نہیں ہے سینۂ مضطر پہ مار کب
جائے گی دل سے کاوشِ مژگانِ یار کب اس آبلہ سے دیکھئے نکلے یہ خار کب
شاہد ہے شمع کچھ مرے سوز و گداز کی پوچھو تو آنکھ جھپکی شبِ انتظار کب
پورا کسی طرح تو ہو ارمان دید کا پروردگار آئے گا روزِ شمار کب
دل دے کے دے دی جان بھی مگر اسے ستم شعار آیا مری وفا کا تجھے اعتبار کب

مرنے پہ بھی ہیں دیدۂ برترؔ کھلے ہوئے
دیکھیں جھپکتی ہے نگہ انتظار کب

دیکھے زلفیں جو تیری دیدۂ بے آب حباب تڑپے لہروں کی طرح مردمِ بیتاب حباب
اللہ اللہ سبک خیزیٔ نزاکت یہ ہے پھرتے ہیں زیرِ قدم دیدۂ پر آب حباب
مار آبی تری زلفیں خمِ گیسو لہریں نرگسی چشم ہے شکلِ گلِ شاداب حباب
دیکھ لے دیدۂ تر میں وہ نگہ کی گردش جسنے دریا میں نہیں دیکھے ہوں گرداب حباب

فرطِ گریہ میں تصور جو بندھا آنکھوں کا مجھ کو ہر سو نظر آنے لگا سیلاب حباب
گردشِ چرخ سے کب رُکتے ہیں چلنے والے ڈالے چکر میں یہ ممکن نہیں دولاب حباب
اشک آنکھوں میں نہیں آنکھیں ہیں نابینِ سرشک خشک دریا میں بھی ہیں دیدۂ بے آب حباب
پانی پانی ہو وہیں طبعِ روانِ شعرا
برتر اس بحر کی دیکھیں وہ اگر تاب حباب
غم سے ہے داغِ دل پر سوز و مضطر آب آب ہو نہ جائے دامنِ خورشید محشر آب آب
یوں ہیں شرم سوزِ پنہاں سے سراسر آب آب خود ہوئے جاتے ہیں اب تو دیدۂ تر آب آب
گریۂ جوشِ جنوں بھی کیا ہی طوفاں خیز ہے دامنِ صحرا ہے شکلِ بحرِ اخضر آب آب
گرمئ شوق شہادت کی غضب ہے تشنگی کہتے ہیں بسمل تڑپ کر زیرِ خنجر آب آب
ڈبڈبائی ہجرِ ساقی میں جو چشمِ بادہ کش ہو گئی فرطِ الم سے چشمِ ساغر آب آب
کب ہے پتھرائی ہوئی آنکھوں میں اشکوں کی نمود گرمئ سوز محبت سے ہے پتھر آب آب
چشمِ جوہر بھی بھر آئی حسرتِ بسمل پہ آج یوں غمِ بے کس میں ہوتے ہیں ستمگر آب آب
صاف ملتا ہے نشانِ گرمئ بزمِ عدو کیوں ہوئے جاتے ہو خود ہی بندہ پرور آب آب
سوزِ پنہاں نے گھلایا صورتِ شمعِ لحد کیا تماشہ ہے ہوا ہے جسم جل کر آب آب
وقتِ خود بینی مگر چوٹیں برابر کی چلیں آئینہ ہو جائے ششدر وہ ستم گر آب آب
دیکھ کر افتادگئ ضعفِ بیمارِ الم ہو گیا نقشِ کفِ پائے ستم گر آب آب
اضطرابِ دل سے میں نادم وہ شوخی سے خجل وصل کی شب ہو گئے دونوں برابر آب آب
ہو برا یا رب ہماری حسرتِ دیدار کا شکلِ آئینہ ہوئی طبعِ مکدر آب آب
طبعِ زنگ آلودۂ دشمن کو سرِ بزمِ سخن
صاف کرتی ہے صفائے نظمِ برتر آب آب

پ

واقف جو ہوتے حالتِ سوزِ جگر سے آپ　جلتے کبھی نہ عاشقِ بے بال و پر سے آپ
مسی کی ہے نمود نہ سرمہ کا ہے نشاں　سچ کہیے آج آئے ہیں ہو کر کدھر سے آپ
دیکھے جمع جو طالبِ دیدار سینکڑوں　کس کس طرح چھپے ہیں وہ اپنی نظر سے آپ
میرے غبار سے جو کدورت نہیں تو کیوں　چلتے ہیں بچ کے خاکِ سرِ رہ گزر سے آپ
درباں کا خوف کیا ہے مگر خود ہی سوچ کر　ہم خود ہی لوٹ آتے ہیں اس بت کے در سے آپ
آتے ہیں دیکھنے دمِ آخر مگر کہیں　گھبرا نہ جائیں حالتِ نوعِ دیگر سے آپ
جب مل گیا جواب تو پھر اس کی کیا خطا
برتر ہیں بدگمان عبث نامہ بر سے آپ

ہونے لگے مجھ پہ مہربان آپ　کرنے لگے اب تو بدگمان آپ
جیتا ہوں فراق میں عجب ہے　کیونکہ میں جسم ہوں تو جاں آپ
دیکھیں پھر ہم بھی چال اس کی　گر ہوں نہ شریک آسماں آپ
دھوکا ہوا خانۂ عدو کا　ورنہ مرا گھر کہاں آپ
بے فائدہ بھرتے ہیں دمِ سرد　کیوں کرتے ہیں ٹھنڈی گرمیاں آپ
چشمِ مخمور کہہ رہی ہے　تھے رات کسی کے میہمان آپ
ہوں خانۂ دل میں جلوہ فرما　مارے پھرتے ہیں یوں کہاں آپ
ہاں اک نگاہِ جانگزا اور　یوں چھوڑیں نہ مجھ کو نیم جان آپ
فرمایئے کچھ تو شیخ صاحب　چھپ چھپ کے یہ جاتے ہیں کہاں آپ

برترؔ یہ تیرا بیان شیریں
ہم رہ گئے چاٹ کر زبان آپ

ت

حسرت ہے کوئی دل میں نہ ہے آرزوئے دوست — کھوئے گئے ہم آپ یہ کی جستجوئے دوست
بلبل سے اور مجھ سے چھڑے گی ضرور ہی — پھولوں کے ہار ہوتے ہیں زیب گلوئے دوست
غنچوں کے منہ سے بات کوئی پھوٹتی نہیں — سن پائی ہے انھوں نے کہیں گفتگوئے دوست
اٹھ جائے درمیان سے پردہ حجاب کا — آئینہ بن کے کاش رہوں روبروئے دوست
گردن جھکالی دیکھتے ہی مجھ کو بزم میں — تاثیر جذب دل ہوئی طوق گلوئے دوست
اے اضطراب شوق شہادت ذرا ٹھہر — ہوجائے فرط ناز سے برہم نہ خوئے دوست
اے نامہ برپتہ یہ بتاتا ہوں یاد رکھ — تو خود ہو گم جہاں یہ سمجھلے(لیجیے) کوئے دوست"

ملتے ہیں غیر سے بھی اسی سادگی سے وہ
برترؔ یہ ظلم ڈھاتی ہے طبع نکوئے دوست

عیش و عشرت سب چلے آتے ہیں اب راحت کے وقت — ہوش تک آتا نہ تھا پہلے غم فرقت کے وقت
عاشق مضطر سے بولے وہ سوال وصل پر — خیر بہتر ہے کبھی آجائیں گے فرصت کے وقت
وصل کی شب باتوں باتوں ہی میں آخر کٹ گئی — کس قدر جلدی گزر جاتے ہیں یہ راحت کے وقت
اب تو پچھتاتے ہو ناحق آکے میری لاش پر — قدر نعمت آدمی کرتا نہیں نعمت کے وقت
شام غم میں چل بسے ہوش و خرد تاب و تواں — کام کوئی بھی نہ آیا شومئ قسمت کے وقت
سوز دل یا بے خودی یا شدت درد جگر — کچھ نشانی اپنی تم دیدو مجھے رخصت کے وقت
فصل گل، وقت سحر، ہنگام بارانئ ابر — میکشی رندوں میں ہوتی ہے عجب فرحت کے وقت

مے کشوں کی فکر میں پھر رات دن رہنے لگا آچکے ہیں زاہدِ ناداں کی پھر شامت کے وقت
وصل کی شب تو مزے سے کٹ گئی برتر مگر
دیکھئے اب کس مصیبت سے کٹیں فرقت کے وقت

ٹ

دل کو اگر بچا گئے کھائی جگر کی چوٹ کم بخت رکتی ہی نہیں تیرِ نظر کی چوٹ
دربان کو رحم آہی گیا میرے حال پر تھا خطِ سرِ نوشت ترے سنگ در کی چوٹ
کیوں کیا ہوا جو بیٹھ گئے دل کو تھام کر اب بھی کہو گے کچھ نہیں آہِ جگر کی چوٹ
پوشیدہ تم لگاتے ہو ناوک نگاہ کے میں کس طرح دکھاؤں دلِ نوحہ گر کی چوٹ
مطلب نہیں تو سینہ سپر کس لئے ہو تم چلنے دو مجھ سے مدعیٔ بد گہر کی چوٹ
کیوں الٹی پڑ رہی ہیں مری کوششیں تمام ہاں کچھ دعا سے چل نہ گئی ہو اثر کی چوٹ
بد خواہ پیٹھ پیچھے عدو وہ ہیں روبرو روکوں ادھر کی یا کہ بچاؤں ادھر کی چوٹ
برتر تڑپ رہے ہو جو در بھنگہ چھوڑ کر
قسمت میں تھی لکھی ہوئی یہ عمر بھر کی چوٹ

ث

اے جان مجھ سے تم ہوئے چیں بر جبیں عبث آخر خطا قصور خفا ہو یونہیں عبث
چھوڑوں خیال کوئے بت مہ جبیں عبث ہاں آرزوئے کوثر و خلد بریں عبث
ان پر اثر ہوا ہے نہ ہوگا کسی طرح ہیں نالہ و بکا دل اندوہ گیں عبث
شوخی کی روک تھام تو پہلے نہ ہو سکی اب جھینپتی ہے یہ نگہِ شرمگیں عبث
اپنا تو مدعا کوئی پورا نہیں ہوا دورِ زماں و گردشِ چرخِ بریں عبث

مثلِ نگاہ رہتے ہو ہر وقت تاک میں کہتے ہو پھر تم آپ کو پردہ نشین عبث
آنے میں تم نے ہائے قیامت کی دیر کی فرقت میں رک رہا نفسِ واپسین عبث
تردامنی بجھائیگی دوزخ کی آگ کو زاہد مرو غرورِ ورع پرورین عبث
برترؔ وہ آشنا ہے زمانے کا اور تم
بیٹھے بٹھائے دیتے ہو جانِ حزیں عبث

ج

کسی سے لڑ گئی بے شک کہیں آج نہیں اٹھتی نگاہِ شرمگین آج
پریشاں زلف کون آیا الٰہی مری تربت جو ہے یوں عنبریں آج
غرورِ حسنِ زیبا ہے تمھیں کو زمانہ میں نہیں تم سا حسیں آج
قضا سر پر کسی کے کھیلتی ہے چڑھی ہے کہنیوں تک آستیں آج
کسی بسمل کی میت گر رہی ہے تزلزل سا ہے کیوں زیر زمیں آج
زمانے میں تھی کل تک دھوم جن کی پتہ ملتا نہیں ان کا کہیں آج
قیامت پر اٹھا رکھو نہ جھگڑا میری جاں فیصلہ کرلو یہیں آج
پکارے گا لہو کل سر پہ چڑھ کر چھپاتے ہو جو خونیں آستیں آج
بھرا بیٹھا ہے برترؔ کو نہ چھیڑو
سنا بیٹھے نہ کچھ تم کو کہیں آج

ح

نقشہ نیا نرالے ہیں تیور نئی طرح ڈھائیں گے حشر آج وہ چل کر نئی طرح
دکھلائیں روز داغ جگر ہم نئے نئے جور و جفا اگر ہو برابر نئی طرح
پتھرا گئی ہیں جوشِ گریہ سے چشم تر پانی بھی جم کے ہو گیا پتھر نئی طرح

بہتے ہیں اشکِ گرم مری آہِ سرد سے — دیکھو کھنچی ہے یہ مۓ احمر نئی طرح
نامہ کمر میں سر پہ کفن، جان بیچ کر — جاتا ہے آج میرا پیمبر نئی طرح
چھیڑوں میں ان کو وہ کہیں مجبوب ہو کے یوں — میرا ہی حشر داورِ محشر نئی طرح
کرتا ہے وعدہ غیر سے کھا کر مری قسم — الفت جتا رہا ہے ستم گر نئی طرح
پہلو میں اپنے ضد سے جگہ دے کے خار کو — بلبل کو چھیڑتے ہیں گلِ تر نئی طرح

دکھلائے لطف جدتِ مضمون سے خوب ہی
مدت پہ مل گئی ہے جو برتر نئی طرح

خ

بوباس ہے زباں کی نہ کوئی سخن کی شاخ — غنچوں میں پھر لگادی یہ کس نے دہن کی شاخ
رکھتی نہیں ہے خانہ بدوشی وطن کی شاخ — پھر کیوں بنے نشیمن بلبل چمن کی شاخ
ہے قطع آرزو سے ترقی پہ داغِ دل — بڑھتی ہے کاٹنے سے نہالِ چمن کی شاخ
ناز و غرورِ حسن سے دیکھا نہ آئینہ — ہے اس کی سادگی میں بھی اک بانکپن کی شاخ
سرسبز ہوں جہاں میں ظالم یہ ہے محال — محروم پھول پھل سے رہی کرگدن کی شاخ
ایسا شکستِ خاطرِ شیریں کا تھا لحاظ — پھوٹی نہ جوئے خونِ سرِ کوہ کن کی شاخ
کچھ رازِ سرفروشیٔ منصور ہو عیاں — چھوڑے کوئی شگوفہ جو دار و رسن کی شاخ
شرمِ برہنگی کا عدم میں نہ تھا خیال — ہستی میں آکے ساتھ لگی پیرہن کی شاخ
رہ رہ کے ائے خیال احبا یہ چھیڑ کیوں — غربت میں کس لئے ہے یہ حب وطن کی شاخ
سحرا پسند کیوں نہ ہوں دیوانگان عشق — آخر تو ہیں یہ قیس غریب الوطن کی شاخ

خاطر شکستہ، ٹکڑے جگر چور چور دل پھوٹی کہاں کہاں لب پیماں شکن کی شاخ
برتر یہ آبیاری آصف کا فیض ہے
پھولی ہے باغ ہند میں ملک دکن کی شاخ

ستم کا کون ہے ہمدم مرے بعد۔ کریں گے وہ مرا ماتم مرے بعد
یہ منہ دیکھے کی الفت ہے مری جان۔ عدو بن جائیں گے ہمدم مرے بعد
مجھی تک تھی فقط غفلت شعاری۔ ہوئے وعدے وفا پیہم مرے بعد
جگہ دے گا اسے پھر کون دل میں۔ پھرے گا مارا مارا غم مرے بعد
نہ ہونگے تفرقہ پرداز برتر
زمین و آسماں باہم مرے بعد

نہ آئی تجھ کو غافل بھول کر یاد۔ یہاں کرتے ہیں ہم آٹھوں پہر یاد
کسی کے عشق میں بھولے جہاں کو۔ کسی کی آتی ہے اکثر مگر یاد
مری تربت بھی ہے دو ہی قدم پر۔ ادھر بھی آنکلنا آئے گر یاد
نہ دیکھو جانب دل آنکھ اٹھا کر۔ ابھی ہے کاوش تیر نظر یاد
خیال زلف و عارض میں ہمیشہ۔ کسی کی آتی ہے شام و سحر یاد
نمود بال و پر سے ہوں گرفتار۔ چمن کس کو ہے اے مرغ سحر یاد
مقدر سے ہوا مجبور ورنہ۔ ہزاروں ہیں مجھے علم و ہنر یاد
ہمیشہ کے لئے لے ہم چلے ہیں۔ مگر تو بھی کرے گا عمر بھر یاد

بچیں گے پرسشوں سے اہلِ محشر ستم سارے رہے مجھ کو اگر یاد
پریشاں پھر ہیں گیسوئے معنبر پھر آیا ہے کوئی آشفتہ سر یاد

شبِ وصلِ عدو ہیں سرد آہیں
پھر آیا برترِ خستہ جگر یاد

چھٹا غم سے اگر دم ہو گیا بند مری حسرت قضا کی اب ہے پابند
مرا دل کھو گیا ملتا نہیں ہے دکھا دیں آپ مٹھی میں ہے کیا بند
رکے کیا دل میں آہِ سرد ناصح نہیں ہوتی ہے مٹھی میں ہوا بند
نہ کر یوں ہجوئے مے زاہد ہمیشہ ذرا تو منہ کو رکھ مردِ خدا بند
نہ آیا تھا زباں تک مدعا بھی قضا نے کر لیا آخر گلا بند
ہجومِ نالہ و آہ و بکا سے ہوئی ہے اب تو راہِ مدعا بند
نہیں ہے ہم نوا اب کوئی برترؔ زباں اپنی کرو نامِ خدا بند

دستِ قاصد میں نہ ٹھیرا کبھی دم بھر کاغذ بن گیا شوق میں خود بالِ کبوتر کاغذ
اشکِ خونیں نے کیا حال جگر سب ظاہر بن گیا شکلِ گلِ لالہ احمر کاغذ
ایک بھی حرف مرے خطِ جبیں کا نہ مٹا کر دیا گرچہ دریار کا پتھر کاغذ
میں نے خط میں جو لکھا تھا کہیں مضمونِ وصال رہ گیا دستِ ستم گر سے لپٹ کا کاغذ
چاک کرتا ہے مرے خط کو عبث اے ظالم رحم کی جا ہے کہ ہے طائرِ بے پر کاغذ

حال کھل جائے گا سب حسن کا خط آنے سے ۔ رنگ لائے گا لفافہ کا ستم گر کاغذ

آئی ہے قبضہ میں برترؔ کی زمیں یہ پہلے
گر ہو دعویٰ تو دکھادے کوئی لاکر کاغذ

ر

عاشق پہ نہ اس قدر جفا کر ۔ رحم اپنی وفا پہ بے وفا کر
روکا دل کو دبا دبا کر ۔ کاٹی شبِ غم خدا خدا کر
آنکھوں میں کسی کی پھر رہی ہے ۔ شوخی دل کو مرے چرا کر
یوں باندھ نہ ان کے دست و پاکو ۔ کچھ بھی تو لحاظ اے حنا کر
دیکھی جو کسی کی بد مزاجی ۔ رہ رہ گئے اشک ڈبڈبا کر
رہتے ہو نگہہ کی شکل غائب ۔ پوشیدہ ہو آنکھ میں سما کر
دیکھے جو صنم کی جنبشِ لب ۔ بجلی رہ جائے تلملا کر
صورت تری وہم نے دکھائی ۔ گھونگٹ رخ سے ہٹا ہٹا کر
مشتاق بہت دل و جگر ہیں ۔ دیکھو تو ذرا نظر اٹھا کر

برترؔ اگر ہے نصیب بیدار
خود تجھ کو جگائیں گے وہ آکر

کیفِ مےَ ختم ہے ساقی ترے مستانوں پر
خون توبہ کا چھڑک لیتے ہیں پیمانوں پر

عرسِ میکش کا ہے رنگ آگیا میخانوں پر
صورتِ پیرِ مغاں کھنچ گئی پیمانوں پر

کوئی گریاں طرفِ شہرِ خموشاں گزرا
آج رونق سی برستی ہے جو ویرانوں پر

منتِ خوابِ عدم کون اٹھائے ہمدم
مر مٹے ہم تو شبِ ہجر کے افسانوں پر

کیفِ زندانِ سبوکش لے ہوائیں باندھیں
ابر کیا جھوم کے آجاتا ہے میخانوں پر

شکوہ پھوٹی ہوئی قسمت کا کریں کیا واعظ
توبہ توڑیں بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں پر

منتظر بیٹھے ہیں میدانِ قیامت کے لئے
ختم ہے دشت نوردی ترے دیوانوں پر

حسرتیں ہیں اثرِ سوزِ جگر سے بے تاب
شمع کی آگ برسنے لگی پروانوں پر

ہر جگہ جلوۂ جاناں کا ہے پرتو برتر
مسجدوں پر کوئی موقوف نہ بت خانوں پر

موج زن ہیں مےَ صافی کی سبیلیں برتر
عرسِ میکش کا ہے اک بھیڑ ہے مے خانوں پر

داغِ دل داغِ جگر داغِ تمنا لے کر
آج اس بزم سے ہم آئے ہیں کیا کیا لے کر

توبہ توبہ یہ مےَ ناب سے نفرت زاہد
پی بھی جا مردِ خدا نام خدا کا لے کر

جنسِ ناکارہ سے خود تم کو ندامت ہوگی
کیا کروگے دلِ بیتاب کسی کا لے کر

انتظارِ آمدِ جاناں کا یہاں تک کھینچا
اب نظر اٹھتی ہے مژگاں کا سہارا لے کر

اضطراب اب اے دلِ بے تاب نہیں یہ اچھا
نامہ بر یار کا پیغام وہ آیا لے کر

ضعف سے میری بڑھی اسکی نقاہت ایسی آپ گر پڑتا ہے مجھ کو مرا سایہ لے کر

خاک حالِ عدم آباد کھلے ائے برتر
جھوٹی سچی بھی خبر کوئی نہ آیا لے کر



ہزاروں مانی مراد منت دعا بھی کی ہاتھ اٹھا اٹھاکر
ہوا ہے تب جاکے رام وہ بت خدا خدا کر خدا خدا کر

نہ پوچھ بے تابیٔ شبِ غم ، مرا نقاہت سے تھا یہ عالم
تمام شب دردِ دل نے پٹکا اٹھا اٹھا کر اٹھا اٹھا کر

برا ہو اس بے خودی کا یا رب کہ پوچھتا ہوں رقیب سے اب
بنایا دیوانہ کس نے مجھ کو نقاب رخ سے ہٹا ہٹا کر

لبوں پہ اب جان آرہی ہے، تری تمنا ستا رہی ہے
رکھوں دل مضطرب کو کیوں کر تو ہی بتادے دبا دبا کر

عدوئے دل دشمنِ تمنا غضب کے ہیں ظالم و ستم گر
وہی جو ہر بار دیکھتے ہیں نگاہیں اپنی چرا چرا کر

برنگِ اشک فتادہ ہر گز نہ اٹھ سکا میں گلی سے تیرے
ملا یا مٹی میں تو نے ایسا نظر سے اپنی گرا گرا کر

پڑا ہوں گوشہ میں سر جھائے نظر بھی اٹھتی نہیں ہے ڈر سے
بنا دیا چھلہ کش کہ کس نے کمانِ ابرو چڑھا چڑھا کر
کہیں نہ ہو راز آشکارا ٹھہر دلِ مضطرب خدارا
نظر میری کام کر رہی ہے نگاہیں سبکی بچا بچا کر
یہ ڈر ہے مطلب نہ تاڑ جائے کہ نکتہ چیں ہے غضب کا وہ بت
کلام کرتا ہوں اس سے برتر تمام پہلو بچا بچا کر

•

سینہ کوبی نے مری سارے وہ توڑے پتھر جو نہ تھے تیشۂ فرہاد نے پھوڑے پتھر
داغِ ارماں نہ مٹا لاکھ کیا گرچہ علاج ہوگئے سختیٔ فرقت سے یہ پھوڑے پتھر
کرکے سرمہ اسے خوش چشموں نے آنکھوں میں رکھا عشقِ شیریں میں جو فرہاد نے پھوڑے پتھر
بے ستوں بولا کہ انجامِ محبت ہے یہی عشقِ شیریں میں جو فرہاد نے پھوڑے پتھر
کشتۂ سنگِ تغافل کی رہے کچھ پہچان
قبر برتر پہ اسواسطے جوڑے پتھر

•

فاتحہ دیجئے آبِ آہن پر ہوگا احسان میری گردن پر
ان کا کہنا یہ میرے مدفن پر حیف اس زندگی کے دشمن پر
حشر میں بے گناہ کشتوں کے داغ ہوں گے کسی کے دامن پر
تو ہی کہہ شوق کس طرح دیکھوں آنکھ ٹھیرے بھی روئے روشن پر

اب تو ہنس کردہ کہتے ہیں برتر
رحم آتا تیرے شیون پر

پھر اٹھایا مرے نالوں نے جہاں بالائے سر
پھر لگی ہونے یہ تعمیر مکاں بالائے سر

رہ گئی کب ٹوٹ کر نوکِ سناں بالائے سر
عرضِ مطلب کے لیئے نکلی زباں بالائے سر

گر اٹھے سوزِ دلِ مضطر کی آہوں کا دھواں
چرخ اک بن جائے زیرِ آسماں بالائے سر

کہتی ہے پائے حنائی سے تری زلفِ سیہ
زیرِ پا بھڑکی ہے آتش اور دھواں بالائے سر

اس قدر بارِ نقاہت نے جھکایا ہے مجھے
نقشِ پا کا اب تو پڑتا ہے نشاں بالائے سر

خون شدہ دل زلف مشکیں میں نہیں ہے جانِ جاں
تختہ لالہ کا کھلا ہے بے گماں بالائے سر

نالے سن سن کر مرے برتر کہا کرتے ہیں وہ
کون رکھتا ہے اٹھائے آسماں بالائے سر

مزہ ہے گو مگو میں کچھ کہے وہ نازنیں کیونکر
حیا آتی ہے کہنے میں کہ ہاں یا نہیں کیونکر

یہاں آنا تو اے رشکِ مسیحا عار ہے لیکن
بنی چرخِ چہارم غیر کے گھر کی زمیں کیونکر

جہاں ابرو کھنچے چہرہ اتر آیا نزاکت سے
ہمارے قتل پر قاتل چڑھے گی آستیں کیونکر

ادھر جب رخ ہوا گوشہ میں چھپ کر بیٹھ جاتی ہے
سوئے اغیار اٹھتی ہے نگاہِ شرمگیں کیونکر

ہر ایک مضمونِ عالی ہیں عروجِ فکر موزوں سے
زمینِ شعر برتر پھر نہو عرشِ بریں کیونکر

اٹھا بارِ نزاکت سے نہ ہرگز ہاتھ بسمل پر
نگاہیں جم گئیں مقتل میں اتنی تیغِ قاتل پر

مزہ آجائے حسن و عشق یوں دست و گریباں ہوں
کھنچے شوخی کا نقشہ صفحۂ بے تابیٔ دل پر

پتہ ملتا نہیں کیوں سوزشِ پنہاں کا سینہ میں
یہ کس نے رکھ دئے دستِ حنا بستہ مرے دل پر

ہوائے جذبِ عشقِ قیس کا پردہ تو ڈھک جاتا
غبارِ دشت چھا جاتا اگر لیلیٰ کی محمل پر

ہدِ ادائے غفلت وارفتگیٔ جلوۂ جاناں
کہ ہشیاری کا دھبہ آنہ جائے دامنِ دل پر

رکی کب چوٹ آئینہ کی ہم کہتے نہ تھے پہلے
کہ منہہ آنا برا ہے مہرباں مدِ مقابل پر

چھپا کب عشق سے حسنِ دو عالم سوز اے برتر
رہی کب بالِ پروانہ کی چادر شمعِ محفل پر

آ جھکے نعش پہ میری وہ پشیماں ہو کر
کیا ملا مرگ کے شرمندۂ احساں ہو کر

جسم و جان کا ہے اگر ربط ازل سے باہم
پھر الگ رہتے ہو کیوں مجھ سے مری جان ہو کر

مل گیا تیرا نشاں گرم روی سے تیرے
نقشِ پا راہ دکھاتے ہیں چراغاں ہو کر

لذتیں جو رو جفا کی مجھے یاد آئیں
پھر کھٹکنے لگا دل تیرِ دو پیکاں ہو کر

کس طرح خانۂ زنجیر سے باہر نکلوں
بیڑیاں تاک میں ہیں چشمِ نگہباں ہو کر

ہے یہاں تک مجھے انجام پہ خود میری نظر
اپنے گھر میں میں رہا کرتا ہوں مہماں ہو کر

توبہ کرنے کو تو کرتا ہوں میں سو بار مگر
ٹوٹ جاتی ہے کسی شوخ کا پیماں ہو کر

ڈر سے بھاگتے ہیں دستِ جنوں سے میرے
ماہِ نو چرخ پہ چلتا ہے گریباں ہو کر

منہ چھپائے ہوئے جاتے ہیں وہیں اسے برتر
شوق لایا تھا جہاں سے ہمیں شاداں ہو کر



ہو گئے بے خودہ آئینہ میں صورت دیکھ کر — اپنی ہی صورت کا انساں محو حیرت دیکھ کر
داغ کھاتا ہے قمر تیری صباحت دیکھ کر — آئینہ حیرت میں ہے حسنِ لطافت دیکھ کر
شکلِ وحدت کی ہوئی ہے دل میں کثرت اس قدر — دیکھ لیتے ہیں تجھے ہم اپنی صورت دیکھ کر
ہاتھوں ہاتھوں وہ رہے اور ہم رہیں قدموں سے دور — اونٹنے لگتا ہے خون مہندی کی رنگت دیکھ کر
آئینہ گر حالِ دل کا چہرۂ عاشق نہیں — محو حیرت ہو گئے کیوں میری صورت دیکھ کر
یہ عداوت دیکھیے کہ کچھ محبت آنہ جائے — رکھ دیا منہ پر ڈوپٹہ غیر حالت دیکھ کر
آنکھ خورشیدِ قیامت سے نہ جھپکے گی کبھی — قبر سے گر ہم اٹھیں گے تیری صورت دیکھ کر
ان کی دزدیدہ نگاہی کا معمہ کھل گیا — تاک میں دل کی ہیں وہ مالِ غنیمت دیکھ کر

جمع ہیں یک دل میں اتنی حسرتیں برتر کہ بس
تنگ آئی وسعتِ غم جس کی کثرت دیکھ کر

حیرت زدہ ہوں جلوہ دیدار دیکھ کر — آئینہ بن گیا ہوں رخِ یار دیکھ کر
پیمانہ نظر بھی ہے ساقی کا دیدنی — مئے بٹ رہی ہے ظرفِ قدح خوار دیکھ کر
کیا اضطرابِ شوقِ شہادت کا ہے اثر — گردن کی رگ پھڑکتی ہے تلوار دیکھ

ارزاں متاعِ حسن نہ کرتی تھی اس قدر / گھبرا گئے ہجومِ خریدار دیکھ کر
پائی ہیں ایسی آبلہ پائی نے لذتیں / رکھتا ہوں پاؤں نوکِ سرِ خار دیکھ کر
تابِ نظر ہی برقِ تجلی سے پھونک دی / آنکھوں میں مری حسرتِ دیدار دیکھ کر
ہنگامہ ہائے حشر کا دل کو یقین ہوا / اندازِ فتنہ خیزیٔ رفتار دیکھ کر
دل ایسا مانگتے ہیں نہ ہو جس میں مدعا / چنتے ہیں پھول وہ گلِ بے خار دیکھ کر
وہ آتے آتے خواب کے پردے میں رہ گئے / شرما گئے نصیب کو بیدار دیکھ کر
پھونکا تھا کیسے تابِ نگاہِ کلیم کو / آیا یقین آتشِ رخسار دیکھ کر
برتر ہوائے شعر و سخن دل سے اٹھ گئی / نا قدریٔ زمانے کے اطوار دیکھ کر

•

بڑھ گئی پاکوبیٔ وحشت بیاباں دیکھ کر / پاؤں پھیلاتا ہے چادر اپنی انساں دیکھ کر
دل کا مطلب ہم نے سمجھا چشمِ جاناں دیکھ کر / خط کا مضموں پڑھ لیا سب خط کا عنواں دیکھ کر
آگیا انکو جنوں کی چیرہ دستی کا یقیں / چاکِ دل، چاکِ جگر چاکِ گریباں دیکھ کر
ہوگئیں ایک رنگ حسن و عشق کی شکلیں بہم / بن گیا آئینہ میں تصویرِ جاناں دیکھ کر
دل نہ کیوں ہو شکوہ سنجِ التفاتِ ظاہری / غیر کو صرفِ نوازشہائے پنہاں دیکھ کر
سچ ہے غربت میں وطن کی قدر ہوتی ہے سوا / بستیاں یاد آگئیں شہرِ خموشاں دیکھ کر
دیدنی ہے غربتِ ناکامیٔ جذبِ خلش / سرنگوں ہوں میں ترے ناوک میں پیکاں دیکھ کر

مانہ بربادیٔ وحشت کا سماں یادش بخیر　　ہوگیا پیشِ نظر سونا بیاباں دیکھ کر

ہوگیا پیشِ نظر غالبؔ کا اندازِ بیاں
آج برترؔ کو سرِ محفل غزل خواں دیکھ کر

ط

●

تغیر حالِ ہجر صنم کا گماں غلط　　ہاں انقلابِ گردشِ ہفت آسماں غلط
جھپکائے آنکھ ضعف سے یہ ناتواں غلط　　آئے شبِ فراق میں خوابِ گراں غلط
آئے خیالِ غیر مرے دل میں ہاں غلط　　اس آئینہ میں شکلِ عدو ہو عیاں غلط
میں اور داد خواہیٔ روز جزا دروغ　　افشائے راز مخفی و سوزِ نہاں غلط
میں اور بزمِ غیر میں بیٹھوں خموش یوں　　قابو میں دل غلط مرے بس میں زباں غلط
فرصت کسے فراق میں جز نالہ و بکا　　ہاں گوش یا وہ گوئی افسانہ خواں غلط
ناصح نہ سر پھرا مرا لے اب تو خوش ہوا　　تیرا بیاں درست مری داستاں غلط
آتا ہی کب ہے لب پہ مرے مدعائے دل　　اے جان مجھ سے پھر گلۂ رازداں غلط
ہے انقلابِ دہر یہی پھر تو عیش کیا　　مل جائے ہائے مجھ کو غمِ جاوداں غلط
اس غم کی کشمکش نے لہو پانی کر دیا　　پھر ہے شکایتِ نگہِ خونچکاں غلط

لے گا اور رشک سے یہ پیرِ آسماں
برترؔ مجھے ہو حسرتِ بختِ جواں غلط

غ

ناحق بہار میں یہ عنادل ہیں باغ باغ　　فصلِ خزاں میں دے گا ہزاروں داغ باغ
تفریح کر لے آ کے گا رشکِ چمن کوئی　　پھولوں کے کر رہا ہے جو روشن چراغ باغ
کیوں اتنا شور کرتے ہیں سمجھا دے باغباں　　نالوں سے بلبلوں کے نہو بد دماغ باغ
کس زور پر ہے کثرتِ گل ہائے سرخ رنگ　　گویا کہ بن گیا گھر شب چراغ باغ

حیراں نہیں ہے دیدۂ نرگس یہ بے سبب
برتر لگا رہا ہے کسی کا سراغ باغ

ق

دیتی ہے کچھ مآلِ حسرت ناکام عشق　　مل گئی آغاز ہی میں لذتِ انجامِ عشق
ہے شکستِ خاطرِ محزوں سے قائم نامِ عشق　　واہ کیا افتادِ ہے افتادِ طشت از بامِ عشق
مدعی شکوۂ بے دادو اظہارِ وفا　　بوالہوس ہی پختہ کرتے ہیں خیالِ خامِ عشق
ایک ناکامیٔ ارماں کے دو طرفہ ہیں کرم　　عشق سے شہرت مری، مشہور مجھ سے نامِ عشق
ہے کوئی بیداریٔ فرقت کا یہ طرفہ مآل　　خوابِ مرگِ ناگہاں کا نام ہے آرامِ عشق
المدد اے جذبۂ بے اختیارِ شوقِ دل　　اب قیامت ڈھا رہی ہے لغزشِ ہر گامِ عشق
قیدِ ملت سے بری ہے خودنمائی حسن کی　　کعبہ و بت خانہ میں یکساں ہے اذنِ عامِ عشق

اب شبِ فرقت میں ہے یہ آہ و زاری کس لئے
سوچتا پہلے سے تھا برتر تمھیں انجامِ عشق

ک

کوئی پیغام پہنچا دے وہاں تک
اٹھاؤں صدمۂ فرقت کہاں تک

اڑائی ہے صبا نے خاک یہاں تک
رہا باقی نہ تربت کا نشاں تک

جلا ہوں سوزِ پنہاں سے یہاں تک
کہ اب ظاہر نہیں ہوتا دھواں تک

تصور میں بھی جو آتا نہیں ہے
میں پہنچوں کس طرح اس بدگماں تک

خدا جانے کہ ہم آئے کہاں سے
نہیں ہے وہم میں اس کا گماں تک

تری نازک دماغی کا بھی یہ ڈر
کہ ہم کرتے نہیں آہ و فغاں تک

تری جادو بیانی کا بھی شہرہ
ہے شہرہ ہند سے اب اصفہاں تک

●

بہائے اس قدر اشکِ ندامت ایک مدت تک
کہ سیلِ اشک کی موجیں گئیں دریائے رحمت تک

نہ ہوگا وعدۂ وصل آپ کا پورا قیامت تک
کہ اپنی زندگانی بھی ہے طولِ شامِ فرقت تک

نقاہت میں بھی یہ پابندیاں وضعِ وفا کی ہیں
بدلتی اب نہیں رنگت مرے چہرہ کی رنگت تک

نکل کے تیرے کوچہ سے کسی صورت نہ چین آیا
سلانے کیلئے آئی ہوائے باغِ جنت تک

مٹائی رسم و راہِ دوستی قطعِ تعلق نے
کہاں کا شکر لب تک نہیں آتی شکایت تک

وہ پھر ایسی پریشاں خاطری میں کیا غزل لکھے
کہ جس کم بخت کو پر تر نہ ہو مرنے کی فرصت تک

خیالِ وصل و نازِ یاس یک پیماں شکن کب تک
رہے گی خاموشی آخر یونہی مہر دہن کب تک

یہ جھگڑا ہی چکا دے اب توائے سنگ درِ جاناں
دلِ پر شور کو فکرِ مآلِ کوہ کن کب تک

کسی دن تو مٹے گا پائے وحشت کا مری چکر
شکایت ہائے بخت و گردشِ چرخِ کہن کب تک

تسلی بخش، ہجراں سوزِ دل، داغِ جگر نالے
رہیں گے شمع و گل رونق فزائے انجمن کب تک

کرے کب تک خیالِ صحبتِ احباب دل سوزی
رہے شکلِ سیہ بختی غم، صبحِ وطن کب تک

جفا کاریٔ رشک و کاوشِ ہم چشمیٔ دشمن
شکایت بر طرف برہم زنیٔ انجمن کب تک

یہی بے تابیٔ شوقِ شہادت ہے تو پھر آخر
رہے گا پاس نازِ بازوئے شمشیر زن کب تک

جوابِ عرضِ مطلب کچھ نہ کچھ ہوگا ضرور آخر
رہے گی میرے دل میں حسرتِ لطفِ سخن کب تک

عبث کوتاہیٔ دستِ جنونِ عشق ہے برتر
نہیں ہوتا ہے دیکھیں چاکِ دل چاکِ کفن کب تک

جم گیا ہجر میں یہ ضعف کے آزار کا رنگ
اڑ گیا صاف رخِ عاشقِ بیمار کا رنگ

رنگ لائے کہیں گلکاریٔ خونِ بسمل
دامنِ تیغ میں ہو دامنِ گلزار کا رنگ

ہم نہ پامال ہوں کیوں رشک سے ہم رنگِ حنا
جم گیا ہے تری محفل میں کچھ اغیار کا رنگ

لوگ کہتے ہیں کہ حافظ ہے خدا ہی اس کا
آج اچھا نہیں ظالم ترے بیمار کا رنگ

فتنہ زا سنتے ہیں محشر کو بہت اے قاتل
کچھ اڑایا نہ ہو اس نے تری رفتار کا رنگ

دل سے یہ ناوکِ مژگاں کی خلش کہتی ہے
اور گہرا ہو ابھی دیدۂ خونبار کا رنگ

عرضِ مطلب پہ خموشی کا کھلے کیا عقدہ
کچھ ہے اقرار کا پہلو تو کچھ انکار کا رنگ

گردشِ دامنِ تسبیح ہے دورِ ساغر
مے خدا خانے میں بھی خانۂ خمار کا رنگ

ہے طبیعت میں جو آزادروی اے برتر
اک زمانہ سے الگ ہے مرے اشعار کا رنگ

تڑپائے کیوں مجھے نہ شبِ انتظار دل رکھتا ہے کاوشِ خلشِ نوکِ خار دل
بخشی تھیں گر بتوں کو دل آزاریوں کی خو دینا نہ تھا مجھے مرے پروردگار دل
ناصح بتاؤں کیا تجھے لطفِ نیاز عشق میں نذرِ ناز کردوں اگر ہوں ہزار دل
مٹ مٹ کے راہ عشق میں اتنا نشاں ملا عالم میں ظلم وجور کا ہے یادگار دل
برباد کر کے خاک میں مجھ کو ملا چکا لیکن ہوا نہ صاف کوئی پر غبار دل
جوشِ جنوں سے چاہیئے کچھ بھی تو مشغلہ کرتا ہوں روز ناخنِ غم سے فگار دل

پہلو سے یوں جو رکھتا ہے پوشیدہ کاوشیں
کس کی نظر سے ہو گیا برتر کا چار دل

کچھ ایسا ہے محبت آشنا دل جفاؤں پر بھی کرتا ہے وفا دل
غمِ فرقت سے اب ملتی ہے راحت ترے قربان اے درد آشنا دل
یہی دونوں ہیں رسوائی کے باعث نگاہِ شوق تیری یا مرا دل
نہ جانے کیا ہو انجام محبت سمجھتا کچھ نہیں اچھا برا دل

مقدر کا گلہ مٹ جائے برتر
جو پہونچوں میں حضورِ شاہِ عادل

مانوس ہم سے تیری جفا اور جفا سے ہم کرتی ہے ناز ہم سے قضا اور قضا سے ہم
زلفِ سیہ کی سلسلہ بندی نہ پوچھئے الجھی ہوئی ہے ہم سے بلا اور بلا سے ہم
دونوں ہوئے ہیں جب سے کسی بت کے پائمال کیا کیا پسی ہے ہم سے حنا اور حنا سے ہم
کس طرح نکلے دل کی تمنا شبِ وصال کرتی ہے شرم ہم سے حیا اور حیا سے ہم
دیکھیں تو کیسے ہجر میں آتی ہے اب قضا روٹھی ہوئی ہے ہم سے ادا اور ادا سے ہم

برتر رہے گا بعدِ فنا بھی کسی کا عشق
لپٹی ہوئی ہے ہم سے وفا اور وفا سے ہم

محوِ خیالِ رشکِ دلِ بد گماں ہیں ہم
اب تو وہاں نہیں ہیں بظاہر جہاں ہیں ہم

گردش میں رات دن صفتِ آسماں ہیں ہم
شاید فریبِ خوردۂ بختِ جواں ہیں ہم

کہتا ہے ان کا جلوۂ حسنِ نظارہ سوز
جس درجہ آشکار ہیں اتنے نہاں ہیں ہم

کھوئے گئے ہیں ایسے وہ بزمِ رقیب میں
مجھ سے ہی پوچھتے ہیں بتادو کہاں ہیں ہم

حال اپنا انقلابِ جہاں سے بدل چکا
پیمانِ مدعی ہیں نہ ان کی زباں ہیں ہم

محفل سے اپنی ہم کو اٹھاتے نہیں کبھی
وہ جانتے ہیں پردۂ رازِ نہاں ہیں ہم

ہیں رشکِ بدگمانیٔ الفت سے دور دور
تو جس جگہ نہیں ہے ستم گر وہاں ہیں ہم

برتر جو کوئے یار میں اپنا مزار ہے
مشہور اب جہاں میں خلد آشیاں ہیں ہم

آگئے گردش میں کیا تقدیر کے چکر سے ہم
حشر میں پہنچے جو اٹھے کوچۂ دلبر سے

بے وفا منزل وفا کی طے کریں گے سر سے ہم
کاٹ دیں گے زندگی کے مرحلے خنجر سے

ہمسری کرتے رہے یوں قاتل خود سر سے ہم
کھنچ گیا جب ہم سے خنجر کھنچ گئے خنجر سے

یاد ہے کچھ راہ کتراکر نکلنا ایک دن
غیر کے گھر سے تم آتے تھے، تمہارے گھر سے

وعدۂ فردا کے دھوکے میں یہاں تک آگئے
اب کہاں جائیں ستم گر عرصۂ محشر سے

کردیا مدہوش آخر مست آنکھیں پھیر کر
آگئے چکر میں ساقی گردشِ ساغر سے

ہاتھ دھوکر جان سے مقتل میں آتے کس لئے
ایسے ڈر جاتے اگر آبِ دمِ خنجر سے

عمر تو گزری جبیں سائی میں او غفلت شعار
اور کیا اب پھوڑتے تقدیر کو پتھر سے ہم

سایۂ دیوار سے تیری نکلتے کس طرح
پاؤں پھیلاتے نہیں باہر کبھی چادر سے ہم

چارہ گر اچھے ہوئے کیا خاک اگر اچھے ہوئے
ساتھ ہی اُٹھی قیامت جب اُٹھے بستر سے ہم

کچھ اگر ہوتا ہے شک توبہ کے استحکام میں
دیکھ لیتے ہیں لڑاکر شیشہ و ساغر سے ہم

آج سنتے ہیں مقیمِ خانۂ خمار ہیں
کل تو مسجد میں ملے تھے حضرتِ برترؔ سے ہم

تا بکئے پامال اے چرخِ ستم ایجاد ہم
نقشِ پا بن بن کے آخر ہو چکے برباد ہم

تیرے رعبِ حسن سے کہتے نہیں کچھ غیر کو
ورنہ رکھتے ہیں زبانِ خنجرِ فولاد ہم

وہ تو آتے ہیں مگر ہم آپ میں آتے نہیں
بے خودی سے بن گئے ہیں کور مادرزاد ہم

ہچکیاں آئیں دمِ مردن تو دل نے یہ کہا
پھر کسی عیسیٰ نفس کو آرہے ہیں یاد ہم

نغمہ سنجی کی ہمارے زاغ کیا جانے قدر
خوش نوایانِ چمن سے چاہتے ہیں داد ہم

دل جلوں سے کیوں الجھتا ہے تو اے چرخِ کہن
ایک ہی نالہ میں ڈھا دیں گے تری بنیاد ہم

اک بتِ بے رحم کی نظروں سے گر کر مثلِ اشک
خاک میں مل مل کے برترؔ ہو گئے برباد ہم

تنگ آگئے ہیں زندگیٔ جاوداں سے ہم ... اب لائیں تجھ کو خنجرِ قاتل کہاں سے ہم
کچھ بھی نہیں ہے یاد چلے تھے جہاں سے ہم ... الفت کے مارے دیکھئے آئے کہاں سے ہم
شوخی سے ان کی وصل میں کہتا ہے یہ حجاب ... اٹھ جائیں آپ کہئے اگر درمیاں سے ہم
شامل تو کیا صدا بھی نہیں آتی کان تک ... کچھ اتنی دور ہیں جرسِ کارواں سے ہم
معبود گو خدا ہے پر اتنا کہیں گے ہم ... بندے بنے ہیں واقعی عشقِ بتاں سے ہم
اظہار سب یہ خونِ تمنا کا ہوگیا ... مجبور ہوگئے مژۂ خونچکاں سے ہم

بِرہمؔ عجیب حالتِ بیم و رجا بھی ہے
رہتے ہیں کش مکش میں نہیں اور ہاں سے ہم

ن

جی بہلنے کی جنوں میں کوئی تدبیر نہیں ... شورشِ نالۂ دل نالۂ زنجیر نہیں
رنگ میں ضعف سے گر طاقتِ تغیر نہیں ... کیوں پھر یک شکل پہ قائم مری تصویر نہیں
بے خودی اور ہو وابستۂ اظہارِ خیال ... کہیں کھلتا دہنِ غنچۂ تصویر نہیں
قدر اندازیٔ جذبِ دلِ بسمل کے نثار ... کہ ٹھہرتا تری چٹکی میں کوئی تیر نہیں
چشمِ بے خواب میں ہے وعدہ وفائی کا خیال ... ہے یہ وہ خواب کہ جس خواب کی تعبیر نہیں
مانعِ دستِ درازیٔ دعا ہے کیوں ضعف ... دور اتنا تو کوئی دامنِ تاثیر نہیں
ضعف میں بھی نگہ شوق کا رکنا معلوم ... حلقۂ چشم کوئی حلقۂ زنجیر نہیں
حادثاتِ چمنِ عالمِ فانی سے کھلا ... کچھ بھی جز وجہ خرابی مری تعمیر نہیں

بولے وہ جھینپ کے خوابِ شبِ وعدہ سن کر
اس کی جز بخت زلیخا کوئی تعبیر نہیں

وسعتِ دامِ ستم بڑھ گئی ایسی صیاد
تیری فتراک سے باہر کوئی نخچیر نہیں

دم سے برترؔ کے ابھی لطفِ سخن باقی ہے
کیا ہوا دہر میں مرزاؔ نہیں یا میرؔ نہیں



جنوں کی جو بے باکیاں دیکھتے ہیں
گریباں، گریباں کہاں دیکھتے ہیں

نئی شانِ کوئے بتاں دیکھتے ہیں
زمیں یہ، نہ یہ آسماں دیکھتے ہیں

جو ہم دل سے روئے بتاں دیکھتے ہیں
تو حسنِ خدا درمیاں دیکھتے ہیں

مکافاتِ فریادِ بلبل ملے کیا
گلوں کو تم ہم بے زباں دیکھتے ہیں

نظر کس کی یاں جینے مرنے پہ قاتل
تجھے ہم دمِ امتحاں دیکھتے ہیں

تماشہ ہے پیکانِ آغشتہ خوں میں
نشانِ دلِ بے نشاں دیکھتے ہیں

تصور میں تم کو نہ لاتے مگر ہم
نگہبانیٔ پاسباں دیکھتے ہیں

رہا ناتواں کوئی وا ماندہ شاید
جرس کو جو محو فغاں دیکھتے ہیں

سرِ عرصہ گاہِ سخن آج برترؔ
روانیٔ تیغِ زباں دیکھتے ہیں

خود فکرِ زوال کر رہا ہوں　　میں کسب کمال کر رہا ہوں
کب آئی تھی شامِ غم الٰہی　　مدت سے خیال کر رہا ہوں
تدبیرِ عروجِ لاغری ہے　　میں قد کو ہلال کر رہا ہوں
ملتا ہے جواب دیکھئے کیا　　یک بت سے سوال کر رہا ہوں
دن کرتا ہوں زندگی کے پورے　　قطع مہ و سال کر رہا ہوں
دنیا سے چلا تو کیا غلط ہے　　کیا اس میں بھی چال کر رہا ہوں

ہے وصلِ عدو کا رشک برتر
عشرت کا ملال کر رہا ہوں

صورتِ شمع جو گریاں ہوں میں　　رات کی رات کا مہماں ہوں میں
مرگِ اغیار پہ شاداں ہوں میں　　آپ اپنے سے پشیماں ہوں میں
چاکِ تقدیر پہ خنداں ہوں میں　　غنچۂ گل کا گریباں ہوں میں
منھ چھپاتے ہیں وہ ناحق مجھ سے　　نہ گریباں ہو نہ داماں ہوں میں
زیست اور وقتِ معین کی قید　　موت کا اپنی نگہباں ہوں میں
میری ہستی ہے عدم تک یعنی　　اک چراغِ تہ داماں ہوں میں
کیوں وہ ہر بار سنبھالیں مجھ کو　　کیا کوئی گوشۂ داماں ہوں میں
جم گیا گردِ کدورت بن کر　　دلِ اغیار میں پنہاں ہوں میں

ضبطِ افتاد و نقاہت افسوس منزلِ شہرِ خموشاں ہوں میں
کیوں نہ دشمن کو ہو تجھ سے پرہیز لذتِ تلخیٔ دوراں ہوں میں
شمع بزمِ شعرا ہوں برتر
بے زبانی میں گل افشاں ہوں میں

●

جگر پر ہاتھ لب پر آہ حسرت دیدہ و دل میں مزہ آیا ہے قاتل کو کچھ ایسا رقصِ بسمل میں
ترقی یہ تہ شمشیر ہو بے تابیٔ دل میں تنِ بسمل تڑپ کر جا رہے آغوشِ قاتل میں
سمٹ کر کیا چمک اٹھی ہے تقدیرِ سیہ بختی جگہ مردم نے دی اللہ اکبر آنکھ کے تل میں
عزیز اسواسطے ایجان رکھتے ہیں مجھے انساں رہا کرتا ہوں تیری آرزو بنکر ہر اک دل میں
بہارِ فضل گل لوٹے وہ ایامِ خزاں میں بھی لگیں ٹانکیں رگ گل کے اگر چشمِ عنادل میں
دہانِ زخم اوچھے ہیں جو یہ کہتے ہیں ہنس ہنس کر ذرا اے ناز کی تو زور دے بازوئے قاتل میں
مری میت پہ وہ رو رو کے اب کہتے ہیں اے برتر
یہ تم نے مفت دے دی جان کیوں کیا آگیا دل میں

گر یہی ذوقِ خلش ہے جذب کی تاثیر میں تو یہی ظالم کہ میں بھی پر لگادوں تیر میں
کیوں ہے یہ رنگِ خموشی شوخیٔ تقریر میں میری حیرت کھنچ گئی شاید تری تصویر میں
رنگِ صورت گر ابھی سے دیکھنا اڑنے لگا اور ابھی کچھ کچھ کھنچی ہیں شوخیاں تصویر میں
اب قلم دستِ مصور میں ٹھہرتا کیوں نہیں کیا مری بے تابیاں کھنچنے لگیں تصویر میں
دل بتوں نے لے لیا جان آفریں نے جان لی اب دھرا ہی کیا ہے چشمِ عاشقِ دلگیر میں

کیوں نہ ہونا کامیوں میں پہلوئے خوش قسمتی
گردشِ چشمِ فسوں گر ہے مری تقدیر میں

ہنس کے کہہ دیتے ہیں ذکرِ بازپرسِ حشر پر
کون سنتا ہے کسی کی ایسے دار و گیر میں

تم کو محجوبِ جفا ہونے نہ دے گا حشر تک
وہ جو اک پہلو وفا کا ہے مری تقصیر میں

روشنی بے شک ہے وہ لیکن ہے اندھی روشنی
عشق کا جلوہ نہ ہو گر حسن کی تنویر میں

دیکھ کر جلوہ کسی کا میری آنکھیں کھل گئیں
تھی غشی لکھی کلیم اللہ کی تقدیر میں

اِدعائے شاعری مجھ کو نہیں برتر مگر
فرد ہوں میں پیروئ میرزا و میر میں

نازیہ، پھر اس پہ کوشش قتل کی تدبیر میں
منہ بھی دیکھا ہے کبھی آئینۂ شمشیر میں

رنگ آ جائے سوادِ گیسوئے شمشیر میں
کم سے کم اتنی سیاہی ہے مری تقدیر میں

منفعل کیوں ہو گلِ زخمِ جگر کو دیکھ کر
پر لگا لو بلبلِ شیدا کے تم بھی تیر میں

کھنچتے کھنچتے شوخیوں سے بول اٹھتی ہے شبیہ
تم رہے تصویر کس دن پردۂ تصویر میں

اور جکڑا گریۂ اشکِ مسلسل نے مجھے
بندھ گئیں آنسو کی لڑیاں بھی مری زنجیر میں

دیکھنا حسنِ فریبِ جلوۂ رشک آفریں
میں بھی اب شامل ہوں قتلِ غیر کی تدبیر میں

ارتباطِ حسن و الفت کی بھی ہوں رنگ آمیزیاں
ایک رخ میرا بھی ہو اس نیم رخ تصویر میں

زحمتِ صحرا نوردی ہم اٹھائیں کس لئے
جی بہل جاتا جو وحشت خانۂ زنجیر میں

وعدۂ روزِ قیامت اے ستمگر کس لئے
کیوں ترا دیدار دنیا بھر کی ہو تقدیر میں

دل شکن صدمے شکستہ خاطری افتادِ غم
کچھ نہیں ان کے سوا پھوٹی ہوئی تقدیر میں

زہر کھالیں گے کسی دن جان سے تنگ آکے ہم | موت لکھی ہے ہماری موت کی تاخیر میں

سر میں وہ سودا نہیں گیسو کا برتر ورنہ ہم
اپنی وحشت کی ہوائیں باندھتے زنجیر میں

جز تحیر حاصلِ ذوقِ نظر کچھ بھی نہیں | اب تو اتنی ہے خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں
میں نے جب پوچھا تجھے میری خبر کچھ بھی نہیں | مسکرا کر بول اٹھا بیداد گر "کچھ بھی نہیں"
اب علاجِ وحشتِ شوریدہ سر کچھ بھی نہیں | سنگِ در کوئی نہیں دیوار و در کچھ بھی نہیں
نالہ ہائے صبح گاہی ہوں کہ آہِ نیم شب | نام ہی نام ان کا سنتے ہیں اثر کچھ بھی نہیں
دست بردِ وحشتِ شامِ جدائی دیکھنا | حاصلِ چاکِ گریبانِ سحر کچھ بھی نہیں
خواب کی صورت جوانی کی ہیں بزم آرائیاں | کھل گئی جب آنکھ ہنگامِ سحر کچھ بھی نہیں
منزلِ دشوارِ الفت دیکھیے کیوں کر کٹے | ہم سفر کوئی نہیں ، زادِ سفر کچھ بھی نہیں
منہ نہ دیکھا وصل کا سب عمر کاٹی ہجر میں | انقلابِ گردشِ شام و سحر کچھ بھی نہیں
اک صدا گوش آشنا سینہ سے آئی ہے ابھی | جز شکستِ شیشۂ دل یہ مگر کچھ بھی نہیں
پوچھنے جاتا تو ہوں ان سے محبت کا مآل | کہہ دیا شوخِ جفا جو نے اگر کچھ بھی نہیں
سرمۂ چشمِ ہوس اکسیر بے شک ہے مگر | جز غبارِ دیدۂ اہلِ نظر کچھ بھی نہیں
فتنہ زارِ حشر کہتے ہو جسے تم واعظو | پیشِ آشوبِ دلِ پر شور و شر کچھ بھی نہیں
تیر بھی تیرا ستمگر ہولیا تیری نظر | پار ہے دل کے مگر دل کی خبر کچھ بھی نہیں
وہ ہیں پیشِ آئینہ کیا عالمِ تصویر ہے | اس طرف حیرت ہی حیرت ہے ادھر کچھ بھی نہیں

وہ دھواں اٹھنے لگا دامانِ چشمِ غیر سے　　اب بھی کہیئے گا کہ آہِ پر شرر کچھ بھی نہیں

قدر دانی اٹھ گئی دنیا سے غربت کی طرح
اب تو برتر قدر ارباب ہنر کچھ بھی نہیں

الٰہی خاک کچھ ایسی اڑے اس خانۂ رتن میں　　کہ پڑ جائے حجابِ گرد بن کر چشمِ دشمن میں
تصور رشک کا ہے اس دلِ بے تاب و بد ظن میں　　مرے پہلو میں وہ ہیں اور میں ہوں بزمِ دشمن میں
جلا کرتا ہوں چپکے چپکے ضبطِ سوزِ پنہاں سے　　نہیں ہے فرق مجھ میں اور شمعِ بزمِ دشمن میں
دکھاتا ہے تماشا مجھ کو نیرنگِ جنوں کیا کیا　　کبھی مسکن ہے صحرا میں کبھی صحرا ہے مسکن میں
یہی تو تفتہ جانوں کے دلِ سوزاں کے ٹکڑے ہیں　　شرر جو یہ چمکتے ہیں ستمگر نعلِ توسن میں
خدا گوشِ حقیقت آشنا دے جس کو وہ سن لے　　وہی ہے اک صدا تکبیر و ناقوسِ برہمن میں
جلے وہ شورشِ غم سے تو دل ٹھنڈا ہو عاشق کا　　یہ خنکی بھی نئی ہے التہابِ قلبِ دشمن میں
پھنسے گی بلبلیں آکر ہزاروں شوق سے خود ہی　　زرِ گل کا قفس لٹکا دے او صیاد گلشن میں
تڑپ کر جا رہے سر میرا قدموں پہ تیرے قاتل　　نشانِ تیغ خطِ بندگی بن جائے گردن میں

مری فکرِ رسا کیوں ٹھوکریں کھائے کہیں برتر
ہزاروں نور کے مضموں بھرے ہیں طبعِ روشن میں

یا امیدیں قطع ہو لیں یا دلِ مضطر نہیں　　آج کیوں پہلو میں وہ ہنگامہ محشر نہیں
یہ تو کوئی شکل تسکینِ دلِ مضطر نہیں　　ہاں نکلتی ہے ترے منہ سے کبھی اکثر نہیں
انقلابِ دہر یا ہنگامۂ محشر نہیں　　کون سی آفت میانِ کوچہ دلبر نہیں

جائے بچ کر پھر کہاں پست و بلندِ دہر سے
پاؤں کے نیچے زمیں یا آسماں سر پر نہیں

قطع کر دیں سب امیدیں ایک شرمِ ناز نے
کیا کریں وہ قتل تھما ہاتھ میں خنجر نہیں

ایک برقِ حسن سے بے خود بنا ہے کون کون
تم نہیں تصویر یا اب آئینہ ششدر نہیں

عالمِ حیرت میں بھی اللہ رے تیرا حجاب
عکس تک آئینہ تصویر سے باہر نہیں

اے ہجومِ یاس عرضِ مدعا کیا قہر ہے
جز خموشی کوئی حرفِ آرزو لب پر نہیں

پھر گئی کیا چشمِ ساقی گردشِ تقدیر سے
کیوں مری قسمت شریکِ گردشِ ساغر نہیں

جا کے ہم کعبہ میں اپنا سر پٹکتے کس طرح
سنگِ اسود کچھ تری دہلیز کا پتھر نہیں

جلوہ زارِ طور اور چشمِ تماشائے کلیمؑ
اس قدر آسان کوئی نظارۂ دلبر نہیں

جل رہی ہے اس قدر بے نور کیوں شمعِ سخن
رونق افزا آج اس محفل میں کیا برتر نہیں

•

خواب میں دیدارِ جاناں ہے عجب راحت میں ہوں
طالعِ بیدار دشمن بن کے میں غفلت میں ہوں

سوزشِ غم سے لب خاموش ہر حالت میں ہوں
میں برنگِ شمع یکساں خلوت و جلوت میں ہوں

دو گھڑی راحت طلب کب وادیِ غربت میں ہوں
میں وہ چکر ہوں جو پائے گردشِ قسمت میں ہوں

پوچھتے کیا ہو عروجِ ضعف کی افتاد کو
دامنِ گردوں کی صورت عالمِ رفعت میں ہوں

اختیارِ قید مذہب کی مٹیں مجبوریاں
جب سے یارب ان بتوں کے قبضۂ قدرت میں ہوں

یہ تو کہہ دے آخر اے حیرانیِ برقِ جمال
میں بھری محفل میں ہوں یا گوشۂ خلوت میں ہوں

روک دیتے ہیں مجھے عرضِ تمنا سے وہ یوں
کہتے ہیں پھر عرض کرنا جب کبھی فرصت میں ہوں

جنسِ ناکارہ ہوں گو بازارِ عالم میں مگر خود تو اندازِ خریداری کی محویت میں "ہوں"
وصل کا غم دل میں ہے برتر نہ فرقت کا الم
چین سے کٹتی ہے جب سے عالمِ وحشت میں ہوں

●

بدمست اس قدر نہ بہت ہوشیار ہوں میں مے کدے میں رشکِ شکستِ خمار ہوں
کس منہ سے یہ کہوں کہ ترا جاں نثار ہوں میں آپ اپنی زندگیٔ مستعار ہوں
غیرت نے پاؤں گاڑ دیئے بزمِ غیر میں اب میں بھی آپ کی نگہ شرم سار ہوں
پہلو تہیٔ ناوکِ دل دوز کیا کہوں اب کاوشِ جگر کے لئے بے قرار ہوں
یہ بھی سمجھ لی کوئی کدورت رقیب کی کیا خوب تم مٹاؤگے میرا "غبار" ہوں
اب اتنی بے رخی بھی دمِ وعدہ قہر ہے سو بار اگر "نہیں" ہے تو ہوں ایک بار ہوں
ملتی ہے کیوں سزا مجھے ناکردہ جرم کی کیا میں خطا نہ کرنے کا تقصیر وار ہوں
کیوں مجھ کو دیکھتے ہی جلے جاتے ہیں رقیب کیا میں بھی کوئی گرمیٔ گفتارِ یار ہوں
پیتے رہیں گے رند تو ساقی تمام رات پہلے مجھے پلا دے کہ میں روزہ دار ہوں
نوکِ مژہ یہ کہتی ہے تیر نگاہ سے تو دل کے پار ہو میں کلیجہ کے پار ہوں

برتر سبیل مئے کی لگائی نہ عرس میں
دعویٰ یہ پھر کہ حضرتِ میکشؔ کا یار ہوں

●

سب سے رشتہ چھڑائے بیٹھے ہیں دل کسی سے لگائے بیٹھے ہیں

کسی وحشی کی ہے مگر آمد خار کیوں سر اٹھائے بیٹھے ہیں
آنکھ بھی جن کی اب نہیں اٹھتی وہ قیامت اٹھائے بیٹھے ہیں
سب یہ ساتھی ہیں پہلی منزل کے جتنے اپنے پرائے بیٹھے ہیں
شیخ کعبہ میں بت کدے میں ہم اپنی اپنی ہے رائے، بیٹھے ہیں
ہوگئی میرے حق میں سم الفت مجھ پہ وہ زہر کھائے بیٹھے ہیں
کوئی شاعر نہیں سوائے ظہیر سب کو دیکھے دکھائے بیٹھے ہیں
کھاؤں بر تر نہ کیوں کہ غم وہ تو
بات مطلب کی کھائے بیٹھے ہیں

کون کہتا ہے خدا ملتا نہیں دل سے گر ڈھونڈھے تو کیا ملتا نہیں
چھان مارے ہم نے سب دیر و حرم تیرے مسکن کا پتا ملتا نہیں
خواہشِ دنیا ہے اور حق کی طلب یوں خدا مردِ خدا ملتا نہیں
جز ترے جس میں نہ ہو خواہش کوئی وہ دلِ بے مدعا ملتا نہیں
کیوں نہ یکتائی کا ہو قائل جہاں تیرا ثانی دوسرا ملتا نہیں
رہروِ ملکِ عدم ایسے گئے کچھ نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں
تیرے کوچہ کا بتادے راستہ کوئی ایسا رہنما ملتا نہیں
ڈالے ہیں کل جگ نے ایسے تفرقے آشنا سے آشنا ملتا نہیں

بت پرستی چھوڑوں برتر کس لئے
اِن بتوں میں کیا خدا ملتا نہیں

سرِ نوکِ مژہ یہ حسرتِ بسمل کے ٹکڑے ہیں
جسے سمجھے ہوئے ہو اشک تم وہ دل کے ٹکڑے ہیں

ہمیشہ رکھتے ہیں روشن یہ ظلمت خانۂ دل کو
ہمارے داغِ سوزاں بھی مہ کامل کے ٹکڑے ہیں

ضیائے حسن کہتی ہے نقابِ رخ سے چھن چھنکر
یہ دونوں عارضِ تاباں مہ کامل کے ٹکڑے ہیں

نمک داں دستِ قاتل میں جو دیکھا پھٹ پڑے کیا کیا
مرے زخمِ جگر بھی دامنِ سائل کے ٹکڑے ہیں

غمِ فرقت مزے لے لے کے لختِ دل نہ کیوں کھائے
وہی اس کو سمجھتا ہے یہ جس مشکل کے ٹکڑے ہیں

کجا دستِ جنوں جامہ دری یہ ناخنِ غم ہے
گریباں کی خبر کس کو یہاں تو دل کے ٹکڑے ہیں

تری یک جنبشِ لب ہائے نازک بھی قیامت ہے
شکستِ وعدۂ فردا سے میرے دل کے ٹکڑے ہیں

چھپائے کثرتِ تارِ نظر کیوں کر نہ پھر ان کو
مری آنکھوں کے پردے پردۂ حائل کے ٹکڑے ہیں

کسی پہلو کسی کروٹ نہیں ہے چین اے برتر
جگر کی کاوشیں بھی خنجرِ قاتل کے ٹکڑے ہیں

مرجاؤں ہجر میں مجھے ایسا یقین نہیں
عاشق ہوں حسرتِ دلِ اندوہگیں نہیں

مٹتا یہ تجھ سے کیوں دلِ اندوہگیں نہیں
نقشِ وفا ہے کچھ مرا خطِ جبیں نہیں

جلوہ یہ کس کا پھرنے لگا پھر نگاہ میں
کیوں وہ نگاہِ یاس دمِ واپسیں نہیں

فتنے پکارتے ہیں یہ اٹھ اٹھ کے ہر گھڑی
راحت پسند کوئے بتاں کی زمیں نہیں

رک رک گیا ہے آ کے لبوں تک حضورِ یار   کچھ حرفِ مدعا تو دم واپسیں نہیں
انکار بھی تو دے گیا اقرار کا مزا   کہنا سوالِ وصل پہ ان کا نہیں نہیں
اٹھوا دی میری نعش ستم گر نے کہہ کے یہ   افتادہ کچھ ہماری گلی کی زمیں نہیں

برتر عروجِ فکرِ تعلی پسند سے
اس شعر کی زمیں ہے جو عرشِ بریں نہیں

•

حجابِ جلوۂ روشن کوئی حجاب نہیں   نقابِ شیشہ عینک ہے کچھ نقاب نہیں
یہ خامشی تری کچھ باعثِ حجاب نہیں   مرا سوال ہے شرمندہ جواب نہیں
نظر اٹھانے کی ان کی نظر میں تاب نہیں   یہ عذرِ ناز شبِ وصل ہے حجاب نہیں
کسی کے جلوہ کی حیرت فزائیاں یہ ہیں   کہ بے حجاب بھی ہو کر وہ بے حجاب نہیں
الٰہی پوری ہو کس طرح بات مطلب کی   وہ سن کے کہتے ہیں کیا بات ہے جواب نہیں
سنبھل کے توڑنا دل کو مرے ذرا ناصح   یہ آئینہ نہیں ساغر نہیں، حباب نہیں
پڑے ہیں کثرتِ تارِ نگاہ کے پردے   تمھارے جلوے کو اب حاجتِ نقاب نہیں
بقا ہے بحرِ جہاں میں کشا کشِ غم تک   وہ موج موج نہیں جس میں پیچ و تاب نہیں
نہ کس طرح مری تربت پہ بے کسی برسے   کہ دودِ شمع سرِ قبر ہے سحاب نہیں

کمی ہے ضعف میں یا درد بڑھ گیا برتر
یہ کیا سبب ہے مرے دل کو اضطراب نہیں

یوں دل نشیں ہو دل میں مرے دلستاں کہیں — میں بھی ہوں ساتھ ساتھ رہے وہ جہاں کہیں
ہو انقلاب گردشِ ہفت آسماں کہیں — عیشِ ابد رہے نہ غمِ جاوداں کہیں
میں بھی تو دیکھوں پھرتی ہے کس طرح پیشِ غیر — ظالم تری نگاہ ہو میری زباں کہیں
ہاں اے ہجومِ درد رہے پاسِ درد بھی — دب کر نکل نہ جائے دہن سے فغاں کہیں
مجھ کو عدو کی باتوں سے مطلب غرض کوئی — کس سے سنی ہیں آپ نے میں لے کہاں کہیں
رکھتے زمیں پہ پاؤں نہیں ہیں وہ ناز سے — ملتا نہیں ہے نقشِ قدم کا نشاں کہیں
یہ کیا غضب کیا مرے شکوے رقیب سے — رسوا کرے تمھیں نہ تمھاری زباں کہیں
اغیارِ بد سرشت وفا پیشگی غلط — بدلے مرے یقین سے کسی کا گماں کہیں
بن جاؤں میں نہ آئینۂ جورِ ناروا — رسوا کرے یہ طاقتِ ضبطِ فغاں کہیں
ہوں رشکِ بدگمانیِ الفت سے دور دور — یہ ڈر ہے ہو نہ جاؤں ترا راز داں کہیں
دھل جائیں داغِ دامنِ عصیاں خدا کرے — سیلِ سرشکِ شرم ہوں ایسے رواں کہیں
کھلتا ہے یہ خموشیٔ اصرارِ وصل سے — بد عہد تو نے دے دی مقرر زباں کہیں
نازک مزاجیاں ہی مرے کام آئیں کچھ — دشمن کی یاد ہو مرے دل پر گراں کہیں

برتر دکن میں صحبتِ اہلِ کمال ہے
ایسی نصیب ہوں گی نہ دل چسپیاں کہیں

نہ ہوگا کوئی ایذا دوست مجھ سا بزمِ عالم میں — ملا لیتا ہوں گھس کر ریزۂ الماس مرہم میں
عجب نیرنگیاں ہیں اس حوادث گاہِ عالم میں — خوشی میں ہے اثر غم کا، خوشی کا ہے اثر غم میں

مدد اے سخت جانی فرق آجائے نہ دم خم میں
مزہ جب ہے کہ خنجر یوں لٹے اب دم نہیں دم میں

کسی پر ماجرائے عشق افشا ہو تو کیوں کر ہو
کہ پنہاں ہے مرا رازِ محبت خوابِ ابکم میں

اترنا نشۂ ثروت نہ کیوں دردِ قناعت سے
نہیں ہے کیف دہ وہ کیفیت جو کیف ہے کم میں

غضب ہے سوزِ رشکِ شرکتِ دشمن سرِ محفل
جلا کرتے ہیں ہم جنت میں بھی رہ کر جہنم میں

ہوئے درد آفریں جل جل کے پروانے بھی یا قسمت
کرے اب کون ماتم شمعِ مردہ کا شبِ غم میں

تماشہ اس قدر دل چسپ تھا اہلِ تماشہ کا
تماشہ بن گئے ہم خود تماشہ گاہ عالم میں

غرض ہے چارہ گر زخموں کے بھرنے سے برا کیا ہے
اگر ناخن کے بھی ٹکڑے رہیں دس بیس مرہم میں

مزے دیتے نہ ٹکڑے داستانِ حسن و الفت کے
اگر ہوتی نہ اے برتر جفا اس میں وفا ہم میں

•

شمعِ بزمِ عدو بنا ہوں میں
غیر کی آگ میں جلا ہوں میں

زیست دشمن کی چاہتا ہوں میں
طرفہ مایوس مدعا ہوں میں

طرفہ نیرنگِ نقشِ پا ہوں میں
کبھی ابھرا کبھی مٹا ہوں میں

آبلے سر پہ لے کے چلتے ہیں
اے جنوں وہ برہنہ پا ہوں میں

کیا تصور ہے آئینہ میں بھی
تیرے جلوے کو دیکھتا ہوں میں

کیا گراں قدر ہوں سبک ہو کر
ان کی نظروں میں تل رہا ہوں میں

رہروانِ عدم کا پیرو ہوں
جانے والوں کا نقشِ پا ہوں میں

تیرے جلوے کو جس نے دیکھا ہے
اس کی نظروں کو دیکھتا ہوں میں

میری ہستی ہے مجمعِ اضداد خاک و آب، آتش و ہوا ہوں میں
آئینہ دیکھتا ہوں جب برتر
اس کے جلوے کو دیکھتا ہوں میں

•

کیا ضبطِ جوشِ گریہ ہے چشمِ پر آب میں دریا کو ہم نے بند کیا ہے حباب میں
باہر ضیائے حسن ہے چہرہ نقاب میں تم اس حجاب پر بھی رہے کب حجاب میں
چہرہ اٹا ہوا ہے جو گردِ حجاب میں شاید وہ چل کے دور سے آئے ہیں خواب میں
جھگڑا پڑا جو بارِ امانت کے باب میں چھانٹے گئے ہمیں نگہِ انتخاب میں
یہ ڈر ہے فتنہ بختیٔ دشمن نہ جاگ اٹھے تم کو تو عارضہ ہے کہ چلتے ہو خواب میں
انسان نہیں فرشتے ہیں یہ کاتبِ عمل ان سے خدا کرے کہ ہو غلطی حساب میں
ہاتھ آئینہ کے منہ پہ جو گھبرا کے رکھ دیا کیا شوخیاں ہیں غمزۂ حاضر جواب میں
ہنگامِ گریہ کیوں نہ ہو ہلکا غمِ فراق بارِ گراں سبک نظر آتا ہے آب میں
تالاب میں ہو جیسے رواں لال مچھلیاں تیرتے ہیں لختِ دل یونہی چشمِ پر آب میں
اک جان سی جو آتی ہے پیتے ہی جسم میں کس بادہ کش کی روح کھنچی ہے شراب میں
ظاہر ہے اس سے صاف دلی بھی غبار تھی آئینہ اس نے بھیجا ہے خط کے جواب میں
ہر صبح ہے سفید تو ہر شام ہے سیاہ پھر بات کون سی ہے نئی انقلاب میں
ہیں دخترِ رز کی یاد میں آنکھیں چڑھی ہوئی شامل نہیں یہ کیفِ نظر احتساب میں

برترؔ کے شعر سن کے یہ کہتے ہیں معترض
جائے سخن نہیں سخنِ لاجواب میں

گل ہوئے پژمردہ کلیاں چاک داماں ہوگئیں
بلبلیں محوِ گلِ رخسارِ جاناں ہوگئیں
بے خودی میں میں نے شاید کہہ دیا کچھ تو نہیں
غیض آلودہ نگاہیں کیوں مری جاں ہوگئیں
تنگیٔ دل سے جو گھبرائیں بہت ہی حسرتیں
بن کے آنسو دامنِ مسترؔ کل پہ غلطاں ہوگئیں
داغِ دل چمکے کچھ ایسے بعد مردن قبر میں
دہنے بائیں سینکڑوں شمعیں فروزاں ہوگئیں
ہوں برنگِ بوئے گل قید وطن سے بھی رہا
مشکلیں کیا کیا سبکروحی سے آساں ہوگئیں
غل مچانے لگتی ہیں رکھا جہاں باہر قدم
بیڑیاں میرے لئے چشمِ نگہباں ہوگئیں
راہ بتلاتے ہیں مجھ کو دیدۂ نقشِ قدم
آپ کی چالیں مجھے خضرِ بیاباں ہوگئیں
درد پہلو میں جگر میں ٹیس آنکھوں میں جلن
آفتیں یک دل پہ کیا کیا شامِ ہجراں ہوگئیں

اب کی ایسی آتشِ گل بھڑکی ہے گل زار میں
بلبلیں جتنی تھیں برترؔ مرغِ بریاں ہوگئیں

نکھوں میں کیف بادۂ پندار بھی نہیں
غافل اگر نہیں ہوں تو ہوشیار بھی نہیں
بد قسمتی سے درخورِ آزار بھی نہیں
غم اِس خطا کا ہے کہ خطاکار بھی نہیں
لاف وفا و آرزوئے جان دہی غلط
یوں مرگِ ہجر کا میں طلب گار بھی نہیں
سوز و گداز دل نے بنایا زبانِ شمع
خاموش ہوں تو کیا سرِ اظہار بھی نہیں
عاشق فریبیٔ نگہ مست دیکھنا
مجھ کو سرِ شکایتِ اغیار بھی نہیں

مجوبیٔ ادائے نزاکت غلط مگر ۔۔۔ تابِ شکستِ خاطرِ اغیار بھی نہیں
میں ہی ستم کشی سے نہیں اضطراب میں ۔۔۔ راحت نصیبِ چرخِ جفا کار بھی نہیں
کرتی ہیں قتل فرطِ نزاکت کی روک تھام ۔۔۔ تہمتی کسی کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
مانا کہ فتنہ خیز نہیں آپ کی گلی ۔۔۔ کیا حشر زیرِ سایۂ دیوار بھی نہیں
برترؔ فروتنی نے جھکایا ہے اس قدر
مجوب ان کا سایۂ دیوار بھی نہیں

کچھ خموشی اثرِ شکوہ بیداد نہیں ۔۔۔ نو گرفتار ہوں میں طرزِ فغاں یاد نہیں
مدتِ عمر جنوں عمر سے کچھ تھوڑی ہے ۔۔۔ پھر کے جنگل سے جو آیا ہوں تو گھر یاد نہیں
دیدۂ گریۂ عاشق سے ہے چھڑکاؤ مدام ۔۔۔ خاک تک کوچۂ اغیار کی برباد نہیں
ہوچکی خانہ بر اندازیٔ بلبل شاید ۔۔۔ دام بر دوش چمن میں کوئی صیاد نہیں
کیا کہوں شورشِ فریادِ اسیرانِ قفس ۔۔۔ عرصۂ حشر سے کم خانۂ صیاد نہیں
ہے کوئی ضبطِ فغاں پردہ درِ جور و جفا ۔۔۔ دہنِ زخم کو کیوں حسرت فریاد نہیں
شوق جانداد گرہ شیوۂ الفت توبہ ۔۔۔ سختیٔ راہ طلب کوششِ فریاد نہیں
ہے عجب صحبتِ یارانِ بڑودہ برترؔ
لطف غربت میں وہ پایا کہ وطن یاد نہیں

و

سراپا درد کی تصویر ہوں حاجت روا تم ہو ۔۔۔ کرو مشکل کشائی اب مرے مشکل کشا تم ہو

یہ آزار محبت اور سے اچھا نہیں ہوگا — کریں گے کیا مسیحا درد کی میری دوا تم ہو

کسی سے کچھ نہیں مطلب کسی کی کچھ نہیں پروا — تمہیں تسکینِ جاں ہو، میرے دل کا مدعا تم ہو

جھلک اپنی دکھا کر کس لئے چھپتے ہو پردے میں — تمھیں پہنچاتے ہیں ہم کہ صورت آشنا تم ہو

رہے کعبہ میں اسود بن کے بت خانہ میں بت بنکر — حقیقت کھل گئی ساری کہ پنہاں جا بجا تم ہو

تمھیں ہندو تمھیں ترسا تمھیں موسیٰ تمھیں کافر — برا کس کو کہیں ہر ایک میں جلوہ نما تم ہو

یہ کیوں جھگڑے پڑے ہیں مذہب و ملت کے آپس میں — خدائی جانتی ہے جبکہ بندوں کے خدا تم ہو

غرض اسلام سے تم کو نہ مطلب کفر سے برتر
عجب آزاد مشرب دہر میں مردِ خدا تم ہو

خطا نا کردہ عذر بے گناہی پر خفا تم ہو — تو کیا کچھ توبہ توبہ داورِ روزِ جزا تم ہو

مرے مرنے پہ کیوں آئینۂ حیرت نما تم ہو — حقیقت تو ہے یہ اس انتہا کی ابتدا تم ہو

کبھی بھولے سے بھی آتے نہیں میرے تصور میں — تکلف برطرف گویا عدو کے مدعا تم ہو

اٹھاتا کون رشکِ دوستیٔ غیر کے صدمے — اسی میں خیر ہے اے بندہ پرور بے وفا تم ہو

غرورِ ناز میں بھی بے نیازی ہو نہیں سکتی — تغافل کیش ہو، خواہانِ جانِ مبتلا تم ہو

نہیں گر انتظارِ آمدِ دشمن سرِ محفل — کشیدہ ہو کے مجھ سے آج کیوں روبرو خفا تم ہو

ہمارے عشقِ صادق سے ہوئی ہے تم کو یکسوئی — کشش سے جذبِ دل کی طائرِ قبلہ نما تم ہو

غضب کا ہے تلون تم میں شوخی ہے قیامت کی — رمِ چشمِ غزالاں ہو کبھی موجِ صبا تم ہو

ہیں معلوم تم کو قدر اپنے حسن کی ہرگز — کہ تم سمجھے ہوئے ہو جس قدر اس سے سوا تم ہو

قیامت میں بھی ہو ایک دھوم بزمِ عیش برتر کی
مزا ہو گر ، سزائے جرمِ الفت کی جزا تم ہو

کیا عجب محشر میں بھی وعدہ تر ایفا نہ ہو
یہ تو ممکن ہی نہیں فرِ داپسِ فردا نہ ہو

دیکھ کر جلوہ کسی کا اور پھر سکتا نہ ہو
بات یہ ممکن نہیں گر آئینہ اندھا نہ ہو

خود غرض اتنا کوئی اے شوخ بے پروا نہ ہو
تیرا چاہا تو سبھی کچھ ہو مرا چاہا نہ ہو

اے زبانِ تیغ تعلیمِ خموشی کس لئے
کیا یہ مطلب ہے دہانِ زخم بھی گویا نہ ہو

طاقتِ صبر آزما کہتی ہے فرقت میں یہی
غم ہو دنیا بھر کا لیکن حوصلہ فرسا نہ ہو

دیکھو آئینہ نہ دیکھو خود نمائی کے لئے
آئینہ بن جاؤ تم خود ہی کہیں ایسا نہ ہو

دھوم جس ہنگامۂ محشر کی سنتے ہیں بہت
وہ بھی یارب کوئی حسن و عشق کا جھگڑا نہ ہو

وقتِ عرضِ حال اس کم بخت کی مجبوریاں
جس کو کہنا ہو بہت کچھ اور کچھ کہتا نہ ہو

میں ازل سے ہم نوائے بلبلِ شیراز ہوں
مجھ پہ برتر کیوں لسان الغیب کا دھوکا نہ ہو

یونہی بخشے عروجِ نفع سودائے زیاں مجھکو
کسی دن گردشِ قسمت بنا دے آسماں مجھکو

اٹھائیں گے بنا کر پائمالِ یک جہاں مجھکو
بٹھا کر چل دیئے ہیں نقشِ پائے رفتگاں مجھکو

نہیں ہے شکلِ غنچہ عشق میں تابِ بیاں مجھکو
سمجھ لو پردہ دارِ نکہتِ رازِ نہاں مجھکو

نہیں کہتا ہوں کچھ منہ سے مگر سب حال روشن ہے
خدا نے دی ہے گویا شمعِ محفل کی زباں مجھکو

ستم یہ ہے طلب دادِ ستم کی بھی مجھی سے ہے
غرض یہ ہے سمجھتے ہیں وہ اپنا قدرداں مجھکو

کیا جب یاد تم نے تو خدا کو بھی میں یاد آیا — اجل بھی ساتھ ہی آئی جو آئیں ہچکیاں مجھکو
ملا ہے امن باغِ دہر میں دشمن کے جلنے سے — نگاہِ برق میں رکھتا ہے میرا آشیاں مجھکو
وہ جنسِ ناروا ہوں میں بھی اس بازارِ عالم میں — نہ لے ارزاں کوئی مجھ کو نہ لے کوئی گراں مجھکو
مزا آنے لگا صیاد کو اب میرے نالوں میں — رہا ہونے نہ دے گی خوبیٔ طرزِ فغاں مجھکو

سنائے شعر گرم ایسے سرِ بزمِ سخن برتر
کہ جل جل کر عدو بھی کہہ اٹھے آتش زباں مجھکو

خدا لائے وہ دن یہ نقشۂ وصلِ ستم گر ہو — کہ میں آئینہ وہ تصویر، گھر تصویر کا گھر ہو
نظر پھر رشکِ ہم چشمیٔ دشمن سے نہ مضطر ہو — میری آنکھوں کا پردہ گر کسی کا پردۂ در ہو
جوابِ چشمِ خشم آگئیں کوئی رنگ تحیر ہے — کہ میں آپے سے باہر ہوں، جو تم جامہ سے باہر ہو
تری شوخی اگر مل جائے دونوں کو دمِ کشتن — نہ بسمل مر کے ٹھنڈا ہو نہ بے دم رک کے خنجر ہو
بہت شہرت ہے اس کی فتنہ سامانی کی بھی لیکن — قیامت جب قیامت ہو کہ اس قد کے برابر ہو
ابھی ٹلتا ہوں میں در سے ابھی تم راہ پر آؤ — نہ میں وعدہ تمہارا ہوں، نہ تم میرا مقدر ہو
یہ اچھی سیرِ خود بینی ہے کیا سے کیا ہوا دیکھو — تمہارا عکس آئینے سے تم آپے سے باہر ہو
جہاں میں ہے ترقی آبرو کی خاکساری سے — فزوں گردِ یتیمی سے نہ کیوں کر آبِ گوہر ہو
نزاکت کے وہ دعوے اور یہ خونریزیاں قاتل — دہانِ زخم میں انگشتِ حیرت کیوں نہ خنجر ہو

ہماری لاغری کی حد کہاں پہنچی وہ کہتے ہیں
کہیں برترؔ نہ پوشیدہ میانِ چینِ بستر ہو

کبھی برقِ تجلی ہو کبھی شمعِ شبستاں ہو — غرض جس حال میں ہو روشنئ بزمِ امکاں ہو
تغافل مجھ سے او بیگانہ رسمِ وفا کبتک — مبادا یہ طریقِ دوستی ہی دشمنِ جاں ہو
کبھی وہ فتنہ عالم جو آجائے تصور میں — حریمِ دل کا گوشہ گوشہ رشکِ محشرستاں ہو
خدا رکھے دلِ ایذا طلب کی بے قراری کو — پریشاں کیوں کسی کی خاطرِ بیداد ساماں ہو
تصدق سینکڑوں دل ہوں اگر دلدار ہو تم سا — ہزاروں جان قرباں ہیں جو تم سا دشمنِ جاں ہو
سمائے خاک مردم خیزئ عالم نگاہوں میں — جب اپنی آنکھ میں ویرانہ گورِ غریباں ہو
فریبِ جلوہ امید اے بختِ سیہ کبتک — کہیں صبحِ قیامت بھی نہ میری شامِ ہجراں ہو
تو وہ یوسف لقا ہے دیکھ لے گر خواب میں تجھکو — وہیں روشن سوادِ دیدہ ہائے پیرِ کنعاں ہو

بتوں کی دولتِ دیدار تم لوٹو نہ اے برترؔ
کہیں ایسا نہ ہو غارت متاعِ دین و ایماں ہو

لگاتے ہو کیوں دھبہ اضطرابِ زود کشتن کو — چڑھا لو آستیں اپنی بچا لو اپنے دامن کو
مری بے برگئ وحشت پہ آیا رحم دشمن کو — سیا خارِ بیاباں نے الجھ کر چاکِ دامن کو
بھڑک اٹھی کچھ ایسی گرمئ دیدار موسیٰ کی — جلایا شمعِ ایمن بن کے نظارہ کے دامن کو
محبت میں بڑھی کچھ اس قدر وحشت زلیخا کو — کیا دستِ ہوس سے چاک پیغمبر کے دامن کو
عبث ہے ذوقِ آرائش نہ دیکھو آئینہ دیکھو — بگاڑے دیتی ہیں خود بینیاں بے ساختہ پن کو

اِدھر تلوار کا ڈورا کھلا دستِ ستم گر سے — قضا نے اُس طرف پھڑکا دیا رگہائے گردن کو
یہ سب اُترے ہوئے چربے ہیں میری خوشنوائی کے — بہت ہے ناز اب جن پر نواسنجانِ گلشن کو
کسے ملتا ہے ایسا اوج بربادی زمانے میں — فلک پر تم نے پہنچایا ہماری خاک مدفن کو

کچھ ایسا گردشِ قسمت کا سودا سر میں ہے برتر
کہ میں خود ڈھونڈھتا پھرتا ہوں اب سنگِ فلاخن کو

●

وحشت پسند اگر ترے جلوے کا نور ہو — ہم سر جہاں پٹک دیں وہیں کوہِ طور ہو
انجام بدگمانی الفت بھی کیا کہوں — اغیار پاس پاس ہیں تم دور دور ہو
زاہد خیالِ رحمت باری بھی چاہیے — ایسا نہ ہو قصور نہ کرنا قصور ہو
سرگرم شوخیٔ نگہ ناز کون ہے — اب ناصبور میں ہوں کہ تم ناصبور ہو
کیا اُس سے جبہ سائی دیر و حرم ہو پھر — جس کے سرِ نیاز میں تیرا غرور ہو
آتی ہے جادہ جادۂ الفت سے یہ صدا — کیوں کر کٹے ہو راہ جو چلنے سے دور ہو
تقدیر لڑتے لڑتے مقدر نہ پھوٹ جائے — آئینہ بنتے بنتے یہ شیشہ نہ چور ہو

برتر یہ بے گناہیٔ الفت نہ رنگ لائے
ثابت کہیں نہ حشر میں ان کا قصور ہو

جی بہلنے کی شبِ غم کوئی تدبیر تو ہو — تو نہ ہو دل میں ستم گر تری تصویر تو ہو
اور کیا حیرتِ عاشق کا اثر دیکھیں گے — اپنی خود بینی سے آئینۂ تصویر تو ہو
اوجِ بیدادگری اس سے سوا کیا ہوتا — پردہ پردہ میں شریکِ فلکِ پیر تو ہو

ہم دکھائیں گے انھیں آہِ جگر کی تاثیر — منہ سے باہر غمِ نالۂ شب گیر تو ہو
کچھ نہ کچھ مشغلۂ جوشِ جنوں ہو یارب — شور و شیون نہ سہی نالۂ زنجیر تو ہو

اس پہ کھل جائے گا خود بخت زلیخا کا اثر
پہلے برتر وہ مرے خواب کی تعبیر تو ہو

گر انقلاب گردشِ ہفت آسماں نہ ہو — عیش ابد نہ ہو کہ غمِ جاوداں نہ ہو
کیوں دور دور ناقۂ لیلیٰ ہے نجد سے — ہاں ہاں رقیبِ قیس کہیں سارباں نہ ہو
ان کی نظر رہی جو یونہی شوخیاں پسند — ممکن ہے پھر کہ غیر مرا رازداں نہ ہو
افتادگی ہے یوں مری بربادیاں پسند — باقی نشانِ قافلۂ رفتگاں نہ ہو
کچھ فتنہ زا ہیں جلوہ جاناں کی شوخیاں — فردائے حشر عرصہ گہہ امتحاں نہ ہو
کہتی ہے خلق فتنہ آخر زماں جسے — میری ہی نامرادئ بختِ جواں نہ ہو

دردِ شبِ فراق میں مرتا ہوں اس لئے
برتر نوید وصل کہیں جانستاں نہ ہو

رد دادِ تیز دستی قاتل بیان نہ ہو — زخموں کے منہ میں تیغ کی جب تک زباں نہ ہو
کیوں دل کے سوزِ عشق سے لب پر فغاں نہ ہو — بالکل غلط کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو
اس بت کی ابتدائی جوانی بھی قہر ہے — یارب یہ کوئی فتنہ آخر زماں نہ ہو
دل کو ہے ایسے جلوہ پنہاں کا شوقِ دید — آنکھوں میں رہ کے مثلِ نظر جو عیاں نہ ہو
تعلیم دے جو چشمِ سخن گو کی خاموشی — گویا تمام عمر دہن میں زباں نہ ہو

رتا ہوں واژگوئیِ قسمت سے بعدِ مرگ   پیدا کہیں زمیں کے تلے آسماں نہ ہو
دے تڑپ رہے ہیں جبینِ نیاز میں   سر سے کہیں بلند ترا آستاں نہ ہو

برتر گڑا ہوں شرمِ گنہ سے زمین میں میں
دنیا سے میں اٹھوں میری میت رواں نہ ہو



ب چشمِ ظاہر میں جو برقِ حسنِ جاناں ہو   تو ہر بیت الصنم برتر تجلی گاہِ عرفاں ہو
ہ بختی مری یوں رونمائے حسنِ جاناں ہو   گھٹے تو خالِ عارض ہو بڑھے تو زلفِ پیچاں ہو
ب آموزیاں ہیں سب ترے جلوہ کی یہ ورنہ   کہاں تک عشق کے پردے میں رازِ حسن پنہاں ہو
رضِ لذتِ جذب خلش ہے ناوک افگن سے   ترے پیکاں میں دل میرا ہو میرے دل میں پیکاں ہو
ں تھی دولتِ کونین قیمت ہائے جس دل کی   وہی صد حیف نذرِ یک نگاہِ چشمِ فتاں ہو
کھو دل سے اپنے دور تم پیشِ نظر رہ کر   میری صبحِ وطن کیوں صورتِ شامِ غریباں ہو
ہے علم بردارِ وحشت اے جنوں کس لے   مرا دامن گرفتہ کیوں نہ ہر خارِ بیاباں ہو
ب آموز ہے کیا بے حجابی تیرے جلوہ کی   کہ جتنا آشکارا تو کرے اتنا ہی پنہاں ہو
تیں کس طرح آمد شدِ انفاس کے جھونکے   چراغِ زیرِ دامن جب ہمارا داغِ سوزاں ہو
ں گر خار ہیں گل بے وفا سبزہ ہے بیگانہ   گلستاں کس طرح بلبل کے حق میں پھر گلستاں ہو

خموشی ہے خلاصہ عشق کے قانون کا برتر
زباں سے حق کہے تو مستحقِ دارِ انساں ہو

جگاتا ہے جو منظورِ نظر رویا میں قسمت کو
لگا رکھا ہے چشمِ منتظر میں خوابِ غفلت کو

جو دیکھا حشر میں بڑھتے ہوئے شورِ قیامت کو
بڑھا دردِ جگر پھیلا کے دامانِ جراحت کو

اجل آکر اٹھاتی ہے حجابِ چشمِ غفلت کو
چھپایا ہے طلسمِ زندگی میں رازِ فطرت کو

پسِ مردن گھٹاتا تھا گراں باریٔ وحشت کو
مری چھاتی کا پتھر کیوں بنایا سنگِ تربت کو

یہ نسخہ مل گیا اچھا مریضانِ محبت کو
پیا کرتے ہیں دھو دھو کر مرے تعویزِ تربت کو

نگاہِ صاعقہ ریز ان کی سرگرمِ تجلی ہے
غرض یہ ہے لگا دوں آگ نظارے کی حسرت کو

فغانِ بے صدا ہو یا ہو غوغائے خموش اپنا
بنائے رکھتے ہیں خلوت ہمارے کنجِ خلوت کو

بڑھے حیرت فزائی اس قدر مشقِ تصور کی
مثالِ آئینہ خود جذب کر لوں ان کی صورت کو

پسِ محشر کا سناٹا نہ دیکھا جائے گا ہم سے
نہ کرنا ختم جلدی یا خدا روزِ قیامت کو

قیامت میں جو وہ مل جائینگے پوچھوں گا میں اتنا
ابھی باقی ہیں کچھ دن وعدہ فردا کی مدت کو

قیامت ہے شکستِ وعدہ و پیماں کے شکوے پر
وہ کہہ دیتے ہیں کوئی کیا کرے افتادِ قسمت کو

میرے رنگِ پریدہ کی ہواداری قیامت ہے
اسی سے پر لگائے بے خودیٔ جوشِ وحشت کو

یہ سیلِ گریۂ پیہم یہ آہِ پر شرر ہر دم
بچانا برق و باراں سے الٰہی تو مری چھت کو

مٹائی دل سے آخر لذتِ ذوقِ تپیدن بھی
اڑا کر لے گئے ناوک کے پر بسمل کی حسرت کو

دہانِ زخم کو ترشے ہوئے ناخن سے بھرتا ہوں
مرے دل سے کوئی پوچھے جگر کاوی کی لذت کو

صدا تارِ نفس کی نغمۂ وحدت سے مملو ہے
سنے انساں اٹھا کر پردہ ہائے گوشِ کثرت کو

دمِ صورت گری آئینہ بن جاتا مصور بھی
تری تصویر میں بھرتا جو میرے رنگِ حیرت کو

بنا ہے زیبِ آغوشِ تمنا خواب میں کوئی
جگایا نیند کے جھونکوں نے آکر میری قسمت کو

نزاعِ صحبتِ باہم کو اے برترؔ سلام اپنا
خدا رکھے سلامت دور کی صاحب سلامت کو



بیاں کیا کروں صدمہ دردِ ہجراں کہیں سننے والوں کا سینہ نہ شق ہو
سنادوں اگر شامِ فرقت کی حالت تو رنگِ رخِ صبح دہشت سے فق ہو

مزہ تو محبت کا جب ہے مریجاں دو طرفہ محبت کا ہو رنگ یکساں
جو میں ہوں پریشاں تو تم ہو پریشاں جو مجھکو قلق ہو تو تم کو قلق ہو

سبب کیا مرے حرفِ مطلب کو سنکر ہوا آج تو اپنے جامعہ سے باہر
یہ ہوتا ہے رہ رہ کے شک اسے ستمگر عدو نے پڑھایا نہ کوئی سبق ہو

فسانہ ہو منصور کا سب پہ روشن چڑھا دار پر جب تو یہ کر کے قدغن
نصیحت مری سن لیں سب دوست و دشمن نہ نکلے کبھی منہ سے جو امرِ حق ہو

اثر اوجِ فریاد و زاری کا ہو یوں کہ دم بھر میں ہو رنگِ عالم دگرگوں
مرادِ ودِ دل گھٹ کے بنجائے گردوں عیاں چشم پر خوں سے رنگِ شفق ہو

جو چاہے دلِ شیون ایجادِ بلبل جو ہوجائے سرد آہِ ناشاد بلبل
جو باندھے ہوا سوز فریادِ بلبل رخِ گل پہ شبنم کے بدلے عرق ہو

جدا ہے زمانے سے شانِ محبت بھرا درد سے ہے بیانِ محبت
سنادوں اگر داستانِ محبت جگر ہو جو فولاد کا بھی تو شق ہو

عجب چیز ہے درس گاہِ محبت ہے بیکار جس میں دلیل اور حجت
یہاں کام کیا خاک دیگی ذہانت جب اگلا سبق روز پچھلا سبق ہو

جنہیں کچھ ہے لطفِ سخن جانتے ہیں نکات سخن کو وہ پہچانتے ہیں
اسی شعر کو شعر وہ مانتے ہیں کہ ہو جس میں گنجلک نہ معنیٰ ادق ہو

کھلے بزم دشمن کا یوں راز ظالم کہ تیرا عدو ہو ترا ناز ظالم
دمِ شکوہ نکلے نہ آواز ظالم نظر شرمگیں ہو جبین پر عرق ہو

نہ دے حشر میں فردِ عصیاں گواہی دکھائے اثر چشمِ تریا الٰہی
گناہوں کی دھل جائے ایسی سیاہی کہ ہاتھوں میں برتر کے سادہ ورق ہو

۵

کھلتا ہے خموشی سے بھرم اور زیادہ — گھٹتا ہے مرا ضبط سے دم اور زیادہ
سرکٹ کے مری نشو و نما ہوگی بہت کچھ — بڑھتا ہے شجر ہو کے قلم اور زیادہ
منہ موڑیں گے کیا ظلم سے جانبازِ محبت — ہاں بانیٔ بیدادِ ستم اور زیادہ
دیکھی جو مری تشنگیٔ شوقِ شہادت — بل کرنے لگی تیغ دو دم اور زیادہ
ہر ایک وہیں جاکے جو بستے ہیں تو ہوگا — آباد یہاں سے بھی عدم اور زیادہ
جتنے ہوں تجھے یاد ستم شوق سے کرلے — ہم جانتے اے جان نہیں کم اور زیادہ

جانے بھی دو پوچھو نہ مرے درد کی حالت	ہوگا تمھیں سننے سے الم اور زیادہ
لے جاتے ہیں بہکا کے مجھے غیر کے در تک	کرتے ہیں ستم نقشِ قدم اور زیادہ
خط لکھنے سے پہلے ہی تھی ارماں کی کشاکش	حیراں ہوئے لیتے ہی قلم اور زیادہ
کہتے نہ تھے برترؔ کہ وہ ہوجائے گا برہم
اس بت کو کرو نامہ رقم اورزیادہ

پھرتا ہوں یوں میں گردشِ چرخِ کہن کے ساتھ	جیسے نگاہِ چشمِ بتِ سحرِ فن کے ساتھ
یوں ہی خرامِ ناز سے برپا ہے ایک حشر	اس پر وہ تن کے چلنا ترا بانکپن کے ساتھ
مجھ سے کریں گے آکے نکیرین کیا سوال	یاں تو کٹی ہے عمر ہی دیوانہ پن کے ساتھ
مرنے پہ بھی گئی نہ ہوا خواہیٔ چمن	رہتی ہے خاک میری نسیمِ چمن کے ساتھ
رہتے ہیں اب تو حضرت برترؔ بہار میں
صحبت بڑھی ہوئی ہے کسی گل بدن کے ساتھ

رہے تاثیرِ جذبِ شوق دامن گیرِ مے خانہ	میری تقدیر بن کر کھل گئی زنجیرِ مے خانہ
ترے قربان رنگ اتنا تو بھر دے پیرِ مے خانہ	کھنچے پیمانۂ دل پر مرے تصویرِ مے خانہ
جنابِ شیخ چلئے بیعتِ دست سبو کرلیں	ابھی چودہ طبق کردے گا روشن پیرِ مے خانہ
ہوا جب خونِ توبہ بول اٹھے گھبرا کے واعظ بھی	یہ دخترِ رز تو کھینچ کر بن گئی شمشیرِ مے خانہ
ہماری تشنگی بسمل بنادے گی حریفوں کو	ہمارے حلق کا کانٹا بنا ہے گا تیرِ مے خانہ
یہ کس کی تشنہ کامی نے ہوا باندھی یہ بچھلے سے	کہ شکلِ چشمِ ساقی کھل گئی زنجیرِ مے خانہ

حضور ساقیٔ کوثر صبوکش آئیں گے جس دم کھلے گی حشر کے دن واعظو توقیر مے خانہ
قدح کش پاؤں دروازے سے باہر رکھ نہیں سکتے مگر دورِ تسلسل بن گیا زنجیر مے خانہ
بسی جاتی ہے چشمِ مست ساقی دل میں اے برتر خدا کے گھر میں بھی ہونے لگی تعمیر مے خانہ

•

اٹھی رخسار جاناں سے نقاب آہستہ آہستہ ہوا بدلی سے ظاہر آفتاب آہستہ آہستہ
پسینہ خود بخود ان کے گلِ رخسار پر آیا کھچا ہے قدرتِ حق سے گلاب آہستہ آہستہ
یگانے جو تھے اپنے وہ بیگانوں کے اپنے ہیں الٰہی ہوگیا کیا انقلاب آہستہ آہستہ
خیالِ چشمِ میگون نے بنایا میکدہ دل کو ہوا کیا ہی خدا خانہ خراب آہستہ آہستہ
اشارے سے اٹھا دنیا کنائے سے بلالینا عذاب آہستہ آہستہ ثواب آہستہ آہستہ
تری زلفوں نے رفتہ رفتہ یوں گھر کرلیا دل میں کہ جیسے آنکھ میں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ
حیا ہے ان کی ظاہر ضعف ہجراں ہے مرا ثابت سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

مقدر اپنا یاور ہو تو برتر ہے یہی دل میں
کہ چلئے سوئے کوئے بوتراب آہستہ آہستہ

•

اٹھا ہے پردہ در ضبطِ فغاں آہستہ آہستہ ہوا رازِ نہاں رخ سے عیاں آہستہ آہستہ
تری نازک دماغی کا ہمیں دھڑکا یہ رہتا ہے کہ راتوں کو بھی کرتے ہیں فغاں آہستہ آہستہ
یہ ثابت ہو کہ کشتے ہیں کسی کے دستِ نازک کے تڑپتے ہیں اسی سے نیم جاں آہستہ آہستہ
کسی کی نوک مژگاں چپکے چپکے یاد آتی ہے اوٹھا دل میں جو یوں دردِ نہاں آہستہ آہستہ
میں ان کے آگے جب بیٹھا ہوں رعب حسن سے لیکن دہن میں کہہ رہی ہے کچھ زباں آہستہ آہستہ
مدد اے بیخودیٔ لذتِ نظارۂ جاناں اوٹھی ہے پھر نگاہ ناتواں آہستہ آہستہ
کہوں کیا سوزشِ دل کا میں تجھ سے حال اے ظالم تمنا کہہ رہی ہے الاماں آہستہ آہستہ
صبا نے خاک تک باقی نہ رکھی میرے تربت کی مٹا ہے یوں میرا نام و نشاں آہستہ آہستہ

کسی پردہ نشیں سے تو نہیں وعدہ ہوا برتر
یہ چھپکر آج جاتے ہو کہاں آہستہ آہستہ

ی

دل خوں شدۂ یاسِ شہادت کی جزا ہے ناز بتِ طناز بھی پابندِ حنا ہے
حیرانیٔ دل آئینہ جلوہ نما ہے وارفتگیٔ حسن تقاضائے حیا ہے
افتادگیٔ راہ طلب اوج رسا ہے نقشِ کف پا جادۂ تسلیم ورضا ہے
اے طالبِ دیدارِ تجلیٔ جہاں سوز افسانۂ محویت موسیٰ بھی سنا ہے
دل محو تماشا و تما شارخِ جاں سوز مرغ قفسِ تن ہدفِ تیرِ قضا ہے
آئینہ تماشائی خلوت کدۂ حسن دل سوزِ تپ رشک سے اندوہ فزا ہے
بے باک نظر عشوۂ خونی ستم انگیز ارمانِ دل موردِ غم نقشِ تمنا ہے
اے بخت خوشا خستگیٔ راہِ محبت نقش کفِ پا شوق میں آغوش کشا ہے
دل مدعیٔ حسرت وارمانِ دو عالم صیدِ نگہ چشم ہوس تابہ کجا ہے
ہے نغمۂ دل بستگیٔ پیر طریقت توبہ شکنی قلقلِ مینا کی صدا ہے
اے حسرتِ پسماندگیٔ قافلۂ غم کعبہ ہمہ تن گوش برآوازِ درا ہے
ہوتی ہے تلافیٔ ستم ہائے شبِ غم یعنی شبِ وصل آئینۂ روزِ جزا ہے
آسان ہے برہمزنیٔ چرخ ستم گر آہنگِ سرافیل مری آہِ رسا ہے
تحریرِ نگارش زدۂ دستِ رقیباں نامہ بجواب آمدہ فرمانِ قضا ہے

محفل میں کہیں حضرتِ برتر تو نہیں ہیں
غالب کی طرح آج کوئی نکتہ سرا ہے

جنوں میں ضعف سے زنجیرِ پا دیوارِ زنداں ہے
مگر ہر آبلہ منت کشِ خارِ بیاباں ہے

خزاں وحشت میں سیرِ فرحت آثارِ گلستاں ہے
نگاہوں میں وہ لطفِ کاوشِ خارِ بیاباں ہے

رہی وابستۂ شغلِ جنوں ہی زندگی اپنی
رگِ جاں کی طرح الجھا ہوا تارِ گریباں ہے

نہیں ممکن کہ تاثیرِ شبِ فرقت سے موت آئے
مثالِ چشمۂ آبِ بقا آزارِ ہجراں ہے

تجلی گاہ تصویرِ خیالی ہے مرا سینہ
دلِ حیرت زدہ آئینۂ رخسارِ جاناں ہے

مگر صد نشتر خوردہ ترا اے ناخنِ وحشت
رگِ دستِ جنوں کی طرح ہر تارِ گریباں ہے

کوئی ساتھی نہیں ہے دشتِ آفت خیز غربت کا
مگر اک بے کسی البتہ غم خوارِ غریباں ہے

فراقِ یار میں اے نا امیدی تلخئ کاوش
دلِ حسرت زدہ میں نیش زن ہر خارِ ارماں ہے

مسیحا چارہ سازِ دردِ فرقت ہوں نہیں ممکن
خدا حافظ ترا اے برترِ بیمارِ ہجراں ہے

تِ وفائے عہدِ تکلف سخن میں ہے — شاید فریبِ غیر کا فقرہ دہن میں ہے
خود رمیدگی یہ مرے ہر سخن میں ہے — باہر وہ انجمن سے ہے جو انجمن میں ہے
بر یہ نئے نفسِ شعلہ زن میں ہے — جھونکا بھی آہِ سرد کا دل کی جلن میں ہے
ں مجھ سے عذرِ غنچہ لبی ہر سخن میں ہے — دو ہاتھ کی زبان یہ کس کے دہن میں ہے
ں جل رہے ہیں شمع سے پروانے دور دور — شاید ہوائے غیر تری انجمن میں ہے
بھی ہے آبلوں میں وہی سوزشِ جنوں — روشن چراغِ شامِ غریبی وطن میں ہے
ں فروزیاں ہے یہ رشکِ رقیب کی — دل ہے مرا جو شمع تری انجمن میں ہے
ہ جو رکھ لیا بھی تو ساقی سے کیا حجاب — نیت تو اپنی ساغرِ توبہ شکن میں ہے
ـِ سوادِ شامِ غریبی نکل چلا — کچھ تیرگی سی چہرۂ صبحِ وطن میں ہے
ن ہے حالِ سوزِ محبت پسِ فنا — فانوس میں ہے شمع کہ لاشہ کفن میں ہے
ن میں بھی ہے صورتِ وحدت وہی عیاں — تیرا ہی ایک ذکر ہر اک انجمن میں ہے
ـِ سوز آبلہ پائی نہ ہو سکا — سوکھی زباں ہے یا کوئی کانٹا دہن میں ہے
لیے پاک صاف گئے کشتگانِ ناز — میت میں کوئی داغ نہ دھبہ کفن میں ہے
تک ہے سرفروشیٔ منصور کا حجاب — وہ راز جو حقیقتِ دار و رسن میں ہے
یدنی ہے تیشۂ الفت کی جوڑ توڑ — خسرو کے دل کی چوٹ سرِ کوہکن میں ہے

کیوں آج دے رہی ہے دھواں شمع اس قدر　　دشمن کی آہِ سرد تری انجمن میں ہے
میرا یہ قول تم کو محبت مری نہیں　　ان کا جواب ناز سے ہر ہر سخن میں ہے
یہ فتنہ خیزیاں تو کوئی بے سبب نہیں　　کچھ مدعی کی چال بھی تیری چلن میں ہے
چمکے ہوئے ہیں داغِ محبت پسِ فنا　　یہ کھیت چاندنی کا ہمارے کفن میں ہے
بجلی سی کوندتی ہے سرِ جلوہ زارِ طور　　خلوت نشیں ضرور کوئی انجمن میں ہے

برترؔ فریب خوردۂ حسنِ ازل ہوں میں
ہر دم نئی چمک مرے داغِ کفن میں ہے

جلوں تا چند دل ہی دل میں آہِ شعلہ افگن سے
بس اب ہشیار پردے سے خبردار اپنی چلمن سے
حجابِ دید ہیں دل چسپیاں ذوقِ نظارہ کی
لپٹتے جاتے ہیں تارِ نظر بھی ان کی چلمن سے
طریقِ عشق میں بے ساز و سامانی بھی کیا شئے ہے
کہ پروا کوئی رہبر کی نہ کھٹکا کوئی رہزن سے
یہ ہم ہیں جو مقیمِ جلوۂ گاہِ نازِ جاناں ہیں
وہ موسیٰ تھے کہ لوٹ آئے تجلی گاہِ ایمن سے
ہماری خانہ بربادی ہے وجہ محفل آرائی
بھرا ہے ان کا گھر شورِ مبارکباد دشمن سے

جو ایسی ہی شرر افشانیاں ہیں آہِ سوزاں کی
پڑیں گی ایک دن آنکھیں چرانی ان کی چلمن سے

خطر بادِ حوادث کا ہو کیوں کر گوشہ گیری میں
نہ الجھا دامنِ صر صر چراغِ زیرِ دامن سے

تمہارا دیکھنا کس طرح دیکھا جائے پھر ہم سے
کہ تم جب دیکھتے ہو دیکھتے ہو چشمِ دشمن سے

بہت بھڑکا ہوا ہے شعلۂ حسنِ شباب اب تو
پسِ چلمن جو بیٹھے ہو دھواں اٹھتا ہے چلمن سے

جہاں میں بے نشانی بھی نشاں بن جاتی ہے آخر
پتہ کچھ خانہ بردوشوں کا مل جاتا ہے مدفن سے

نشاطِ وصل میں بھی رنجشِ قطعِ تعلق ہے
کٹا جاتا ہوں دل ہی دل میں وہمِ ربطِ دشمن سے

ٹھکانا بھی کوئی بے تابیٔ شامِ غریبی کا
پڑی ہے لاش میری دور کوسوں میرے مدفن سے

بیاباں ہو کہ گلشن ہو جہاں ٹھیرا وہیں گھر ہے
غرض کیا خانہ بردوشِ جنوں کو فکرِ مسکن سے

مری رنگیں بیانی خود مری دشمن ہے اے برترؔ
گلہ کوئی نہیں مجھ کو نو اسنجانِ گلشن سے

•

ہے لطف یوں کسی سے جو ہم داستاں رہے
قاصد کے منہ میں کاش ہماری زباں رہے

پوچھا جو میں نے غیر کے گھر میہماں رہے
بولے وہ کس ڈھٹائی سے "پھر کیا ہے ہاں رہے"

واماندۂ مثلِ گردِ پسِ کارواں رہے
ہم یادگارِ قافلۂ رفتگاں رہے

آنکھوں میں نور جسم میں جاں دل میں آرزو
پردے میں یک جہاں سے رہے وہ جہاں رہے

آئینہ حالِ دل کا ہوا اڑ اڑ کے رنگِ رخ
ہے لطف خامشی میں جو لطفِ بیاں رہے

سینے میں داغ آنکھ میں آنسو جگر میں درد
ہم بے قرار چین سے دم بھر کہاں رہے

کڑھتا ہوں اس لیے غمِ جاناں کے واسطے
کیا جانے میرے بعد یہ بیکس کہاں رہے

میری طرف سے رکھتے تو ہو تم کدورتیں
ایسا نہ ہو کہ خاطرِ نازک گراں رہے

برتر — تمھاری زمزمہ سنجی کے سامنے
کیا تاب ہے کہ بلبلِ ہندوستاں رہے

پی لگائے کیوں کوئی بسمل تراش کے ● رکھ لے جگر میں ناخنِ قاتل تراش کے

ابرو نہیں ہیں زیرِ ہلالِ جبینِ یار
صانع نے رکھ دیا مہ کامل تراش کے

تکلیف دستِ ناز گوارا نہ ہو اگر
ہم آپ سر کو پھینک دیں قاتل تراش کے

کاٹیں نہ رند واعظِ کم بحث کی زبان
روز ایک تازہ لاتا ہے جاہل تراش کے

کام آئے لوحِ مشقِ ستم بن کے کیا عجب
تحفہ میں بھیج دوں جگر و دل تراش کے

آتی ہے سوئے دامنِ صحرا بڑھی ہوئی
مقراضِ موج دامنِ ساحل تراش کے

ملتا ہے کوہ کن کو بجز یاسِ وصل کیا
رکھتا بجائے کوہ اگر دل تراش کے

لیلیٰ جو پردہ پوشیٔ مجنوں پسند تھی
پھینکا گیا نہ پردۂ محمل تراش کے

تیغِ نگاہِ شوق نہیں تابِ انتظار
جلوہ دکھا دے پردۂ حائل تراش کے

دقّتِ طلب ہیں ناخنِ تدبیر کس قدر
پھندے بنائے عقدۂ مشکل تراش کے

اے پاسِ تنگ ہمتِ مردانہ پھینک دے
دستِ سوال و دامنِ سائل تراش کے

زخموں کے منہ میں عرضِ تمنا کے واسطے
رکھ لوں زبانِ خنجرِ قاتل تراش کے

کہنا وہ چھیڑ چھیڑ کے ان کا شبِ وصال
حسرت نکال دوں میں ابھی دل تراش کے

برتر میں اپنی تیغِ زبانی سے بزم میں
رکھدوں ابھی زبانِ مقابل تراش کے

کام لے مشاطہ ایسا ناخنِ تدبیر سے
خم وہاں زلفوں سے نکلے بل یہاں تقدیر سے
کیا ملا جز تلخ کامی اس کو جوئے شیر سے
کوہ کن واقف نہ تھا الفت کی ٹیڑھی کھیر سے
چارہ گر واقف ہیں سوزِ قلب کی تاثیر سے
زخم کی پٹی بدلتے ہیں تو آتش گیر سے
حشر میں ہوگی بیاں فی الجملہ رودادِ ستم
کچھ لبِ پیکاں سے کچھ نوکِ زبانِ تیر سے
کیوں مرے زخمِ جگر محوِ تبسم ہوگئے
کہہ دیا قاتل نے کیا نوکِ زبانِ تیر سے
کیا سبق آموز اندازِ تحیر ہیں بہم
ان کی تصویر آئینہ سے آئینہ تصویر سے
پائے بندِ سازِ موسیقی نہیں تارِ جنوں
کان بجتے ہیں صدائے نالۂ زنجیر سے
کثرتِ عرضِ تمنا بن گئی مہرِ دہن
بند ہے راہِ سخن ہنگامۂ تقریر سے
راس کب آئی ہمیں گلزارِ دنیا کی ہوا
پھول ہاتھ آئے سر سے پھل ملے شمشیر سے
جلوۂ پرنور یہ کس کا تجلی ریز ہے
آج کیوں کر تیرہ بختی اڑ گئی تقدیر سے

آج کیا مقتل میں کوئی سخت جاں سر ہوگیا
گردنِ قاتل میں کیوں خم ہے سوا شمشیر سے

رنگ جب لاتی ہے یادِ کشتگانِ بے خطا
خوں ٹپک پڑتا ہے چشمِ جوہرِ شمشیر سے

اس کے چکر میں جو آیا پھر نہ نکلا عمر بھر
دورِ ساغر کم نہیں ہے حلقۂ زنجیر سے

باعثِ سرمایہ راحت صعوبت بن گئی
لذتِ عفوِ خطا حاصل ہوئی تقصیر سے

محوِ حیرت ہوگیا ایسا دمِ صورت گری
مل گیا نقشہ مصور کا تری تصویر سے

حشر میں ہوگی بیاں فی الجملہ رودادِ ستم
کچھ لبِ پیکاں سے کچھ زبانِ تیر سے

طبعِ برتر اب تو ہے شمعِ سرِ بزمِ سخن
تھی کبھی روشن یہ محفل میرزا و میر سے

•

اڑائے تیر نے ہنتے چڑھے کچھ تیغِ قاتل کے — سرِ مقتل تبرک ہوگئے ٹکڑے مرے دل کے
کب ایسے پنجۂ مرجان تھے پہلے ہاتھ قاتل کے — ہوئی ہے سرخرو خونِ شہیداں سے قضائل کے
اثر کرنے لگے جذبے مری بے تابیٔ دل کے — حریمِ ناز کے پردے پتہ دیتے ہیں ہل ہل کے

یہ پہلوئے ستم ہیں ناوکِ بیدادِ قاتل کے
رہے جو ٹوٹ کر پیکاں وہ پہلو بن گئے دل کے

غضب کے منچلے ہیں سرفروشانِ محبت بھی
دمِ کشتن بھی بوسے لے لیے شمشیرِ قاتل کے

حجابِ دیدہ ہے گردش جو مجنوں کے نصیبوں کی
بگولے دشت کے پردے بنے لیلیٰ کی محمل کے

رہے وہ مست کیفِ بے خودی پھر روزِ محشر تک
جسے مل جائے دو قطرے شرابِ شیشۂ دل کے

انھیں میں دفترِ کونین کے مضمون ہیں پوشیدہ
بظاہر تو فقط کہنے کو دو ہی حرف ہیں دل کے

نہیں معلوم اب ہے تیغِ قاتل منتظر کس کی
شہیدانِ وفا تو ہو لیے رخصت گلے مل کے

چلی آتی ہے آوازِ فغانِ قیس بھی پیہم
جرس اک اور بھی شورش فزا پیچھے ہے محمل کے

نہ ابھرا ڈوب کر جو پار بیڑا ہو گیا اس کا
محیطِ عشق کی تہہ میں نشاں ہاتھ آئے ساحل کے

ہمیشہ شست و شو کی ہے مرے اشکِ ندامت نے
نہ ہو گا جامۂ ہستی یہ میلا خاک میں مل کے

بہت دشوار ہے یہ جادۂ ملکِ عدم برترؔ
کیئے مر مر کے ہم یہ مرحلے طے پہلی منزل کے

●

یاد اس ستم ظریف نے شاید کیا مجھے
دیتی ہیں ہچکیاں جو پیامِ قضا مجھے

حاصل نظر فریبیِ جلوہ سے کیا مجھے
میں اور تابِ دید ذرا دیکھنا مجھے

جلوہ سے کچھ غرض نہیں اس کے سوا مجھے
کون ان کو دیکھتا ہے یہ ہے دیکھنا مجھے

آئینہ ان کے عکس سے ہے جلوہ زارِ حسن
میرا یہ حال کچھ بھی نہیں سوجھتا مجھے

مثلِ شمیمِ گل ہے سبک روحیوں سے اوج
پھرتی ہے اپنے دوش پہ لے کر صبا مجھے

سچ ہے عدم کی راہ کا ساتھی نہیں کوئی
چھوڑا ہے روح نے صفتِ نقشِ پا مجھے

غنچہ ہوں ناشگفتہ ثمر نارسیدہ ہوں
آئی نہ راس باغِ جہاں کی ہوا مجھے

منظور خود نمائی حسنِ ازل جو تھی
آئینہ اپنے جلوے کا اس نے کیا مجھے

لوحیں نہیں مزار کی یہ سنگِ میل ہیں
دکھلا رہی ہیں دور سے راہِ فنا مجھے

دونوں کو ایک جلوے نے حیراں بنا دیا
میں آئینہ کو دیکھتا ہوں آئینہ مجھے

ساقی کے ہاتھ سے جو گرا جام چھوٹ کر
آئی شکستِ شیشۂ دل کی صدا مجھے

اِن بے حجابیوں پہ یہ شانِ حجاب ہے
وہ سامنے ہیں اور نہیں سوجھتا مجھے

افسانہ ان کے جو رکا ہے داستانِ ہجر
حیراں ہوں کیا کہوں گا جو کہنا پڑا مجھے

گرمِ خرام ناز ہیں وہ کوئے غیر میں
بھڑکا رہا ہے شعلۂ آوازِ پا مجھے

ضعف اور شوقِ دسترسِ دامنِ اثر
نادم کرے گی منتِ دستِ دعا مجھے

بیگانہ عوازل سے ہیں کیا حسن و عشق بھی
میری خبر انھیں ہے نہ ان کا پتا مجھے

آخر چراغِ زیست بجھا یا نہ آپ نے
دامن کی اپنے نزع میں کیوں دی ہوا مجھے

برتر جنابِ شادؔ سے دادِ سخن ملی
اور اس سے بڑھ کے چاہیے اب کیا صلہ مجھے

شاہد مرے سخن کا ہے برتر مرا سخن
پہنچا ہے فیضِ غالبِ رنگیں نوا مجھے

بے حجاب آئے نظر جلوے کی عریانی مجھے — کاش آئینہ بنادے میری حیرانی مجھے
کیوں رکھے سردر گریباں چاک دامانی مجھے — بخش دے رحمت اگر ملبوسِ عریانی مجھے
دیکھ کر جوشِ جنوں میں گرمِ جولانی مجھے — چھینٹے دیتا ہے سرابِ دشت کا پانی مجھے
قطرہ ہائے اشک پی کر کاٹتا ہوں زندگی — کام دانے کا دیا کرتا ہے یہ پانی مجھے
سجدہ ریزی نے کیا اس سنگِ در کو آئینہ — صاف آتی ہے نظر تحریرِ پیشانی مجھے
کر دیا روزِ ازل نقاشِ قدرت نے عطا — پیکرِ تمکین تجھے تصویرِ حیرانی مجھے
آبِ آئینہ سے غواصی ہیں موجیں حسن کی — پھر نہ لے ڈوبے کسی دن یہ بندھا پانی مجھے
گردشِ قسمت نے کھلوائی بگولوں کی ہوا — چرخ پلواتا رہا گرداب کا پانی مجھے
شکلِ ماہ نو یہی ہے زینۂ اوج کمال — دیتی ہے تسکین مری سردر گریبانی مجھے
ہائے قیدِ چار دیوارِ عناصر کیا کہوں — زندگی تا زندگی رکھیگی زندانی مجھے
کر دیا عاجز مالِ کوششِ بے سود نے — بن گئیں ناکامیاں وجہ تن آسانی مجھے
خون رلواتی ہے کیا کیا ناوکِ مژگاں کی یاد — چشم تر دیتی ہے پیہم لعلِ پیکانی مجھے
آئینہ گستاخ وہ محجوب جلوہ بے حجاب — اور کیا آئے نظر جز شکلِ حیرانی مجھے

باغؔ نے کہلائی برتر طرح غالبؔ میں غزل
کچھ پشیمانی انھیں ہے کچھ پشیمانی مجھے

●

پیری میں جوانی کی خبر ہم نہیں رکھتے — اس شام میں پروائے سحر ہم نہیں رکھتے

لڑتی ہوئی ہر چند نظر ہم نہیں رکھتے ملتا ہوا کیا دل بھی مگر ہم نہیں رکھتے
یہ رشک ہے دیکھیں نہ کہیں مردمِ دیدہ تصویر تیری پیشِ نظر ہم نہیں رکھتے
کیا کیا نمکِ شورِ تبسم کا ہے احساں زخم اپنے سرِ منت مرہم نہیں رکھتے
آئینۂ حیرت کدۂ دہر میں یعنی جز بے خبری کوئی خبر ہم نہیں رکھتے
فرصتِ دمِ نظارہ کہاں چشمِ زدن کی تابِ نگہِ یارِ دگر ہم نہیں رکھتے
اے دل شبِ ہجراں ہے شبِ وصل نہیں ہے اب کچھ خطرِ مرغِ سحر ہم نہیں رکھتے
پابند ہیں خود داریٔ آئینِ وفا کے آہوں کو بھی ممنونِ اثر ہم نہیں رکھتے
کہتے ہیں جدائی نہ ہو پیکان و جگر میں ناوک میں جو سرخاب کا پر ہم نہیں رکھتے
سینہ ہے بھرا درہمِ داغِ جگری سے غنچوں کی طرح مٹھی میں زر ہم نہیں رکھتے
اٹھے تو نہ بیٹھے کبھی پھر راہِ طلب میں یعنی روشِ گردِ سفر ہم نہیں رکھتے
کچھ اس سے لگی دل کی بجھا لیتے ہیں ورنہ ساقی ہوسِ آتشِ تر ہم نہیں رکھتے
آزاد روی مسلکِ اربابِ وفا ہے نالوں کو بھی پابندِ اثر ہم نہیں رکھتے
قصرِ تنِ خاکی کی ہے بنیاد ہوا پر کچھ جس میں ہو ترمیم وہ گھر ہم نہیں رکھتے
ہستی کی روش ہم صفتِ ریگِ رواں ہے کچھ عزمِ سفر بہرِ سفر ہم نہیں رکھتے
مارا ہمیں پابندیٔ آئینِ وفا نے اب آرزوئے عمرِ دگر ہم نہیں رکھتے
تیغِ نگہِ مست کے چرکوں سے ہیں بے خود انگور پہ زخموں کی نظر ہم نہیں رکھتے

برترِ سحرِ عالمِ پیری ہے نظر میں
اب شامِ جوانی کی خبر ہم نہیں رکھتے

راز کس طرح کھلیں گے ترے میخانوں کے
خط نہ پکڑے گئے ساقی ترے پیمانوں کے

وہ تو جل بجھ کے ہوئے چشم زدن میں ٹھنڈے
رات بھر شمع جلی سوز میں پروانوں کے

خانہ بربادیٔ وحشت سے بڑھی اور بھی شان
لامکاں بن گئے گوشے مرے ویرانوں کے

یہ ہے جذبِ شررِ سوزِ گدازِ الفت
پر ہیں لپٹے ہوئے کچھ شمع سے پروانوں کے

راز معلوم ہو کس طرح خدا کے گھر کا
بت بھی کچھ منہ سے نہیں کہتے ہیں بت خانوں کے

شعلے کیوں مائلِ پرواز ہیں محفل میں ترے
آج کیا شمع کو پر مل گئے پروانوں کے

زینتِ منبرو محراب بنے ہیں ساقی
ٹوٹے پھوٹے وہی پتھر ترے خانوں کے

اب تو کہتے ہیں وہ ہاتھوں سے کلیجہ تھامے
کتنے پردرد ہیں ٹکڑے ترے افسانوں کے

یاد جب آتے ہیں آنکھیں مری بھر آتی ہیں
ہائے جلوے وہ چھلکتے ہوئے پیمانوں کے

ہائے کیا شئے ہے زمانے کا تلون برتر
طور اپنوں میں نظر آتے ہیں بے گانوں کے



ہائے اندازِ نزاکت ترے پیمانوں کے
حسرتیں تکتی ہیں منہ کو مرے ارمانوں کے

رکھ لیا پردۂ وحشت کو جو عریانوں کے
کیا ہوا خواہ بگولے ہیں بیابانوں کے

اپنی پھوٹی ہوئی قسمت کے لیے چنتا ہوں
سب یہ ٹکڑے ترے توڑے ہوئے پیمانوں کے

دل میں آتے ہوئے اس ڈر سے کھٹک جاتے ہیں
اس میں کلنٹے نہ ہوں چبھتے ہوئے ارمانوں کے

نالۂ نیم شبی کی ہو رسائی کیوں کر
سدِ رہ بیچ میں پردے ہیں ترے کانوں کے

حسن کا رعب بھی ہے ناز بھی ہے تمکین بھی
اب تو وہ رہتے ہیں حلقے میں نگہبانوں کے

دعوت زخم جگر اور تکلف کیا خوب
بس ہیں ٹکڑے ہی جو مل جائیں نمک دانوں کے

مر کے بھی مشغلۂ جوشِ جنوں باقی ہے
چاک رکھے ہیں کفن میں جو گریبانوں کے

دیدنی ہے اثرِ پست و بلندِ عالم
قبر میں سوتے ہیں مالک جو ہیں ایوانوں کے

تم نہ پونچھو مرے آنسو دمِ رخصت ورنہ
خشک پھر ہوں گے نہ گوشے مرے دامانوں کے

اے جنوں اب کے بنے مرقدِ مجنوں کا غلاف
ٹکڑے ہو جائیں تبرک مرے دامانوں کے

باغِ عالم میں ستمگر نہیں ہوتے سرسبز
کھلتے دیکھے نہیں غنچے کبھی پیکانوں کے

ہے بہرہ برتر اثرِ زمزمۂ روز الست
پردے بج اٹھتے ہیں ابتک جو مرے کانوں کے

انداز تو دیکھے کوئی محجوبِ وفا کے
آنکھیں بھی چرانے لگے وہ دل کو چرا کے

مضبوطیٔ توبہ میں نہ رہ جائے کوئی شک
کیوں دیکھ نہ لیں شیشہ کو ساغر سے لڑا کے

دھبے یہ مٹائے نہ مٹیں گے کبھی تا حشر
دامن کو ذرا خونِ شہیداں سے بچا کے

کمزوریٔ ایمان ہے کہ ہے زورِ نقاہت
مانگی نہ دعا ہم نے کبھی ہاتھ اٹھا کے

دل میں ہے اگر الفتِ اصنام عجب کیا
پہلے بھی تو رہتے تھے یہ بت گھر میں خدا کے

ہر گام پہ مل جاتا ہوں قدموں سے جو چھٹکر
سیکھے ہیں چلن یہ ترے نقشِ کفِ پا کے

ہوتی ہے ضیا شمع کی فانوس سے دونی
بے پردہ ہوئے اور بھی وہ منھ کو چھپا کے

تعویذِ لحد سے ہمیں کچھ کام نہیں ہے
تربت پہ نشاں ہوں مرے نقشِ کفِ پا کے

جنت سے ترے کوچہ کو دیتے ہیں جو تشبیہ — تعریف بھی کرتے ہیں تو اغیار گھٹا کے
منظور ہے تنہائی مرقد کی تلافی — رکھ لوں تری تصویر کلیجے سے لگا کے
تلوار سے کہہ دیتے نہ زباں اپنی لڑائے — قاتل دہنِ زخم یہ منہ پھٹ ہیں بلا کے
بالیدگیٔ جوشِ جوانی بھی غضب ہے — انگڑائی جو لی ٹوٹ گئے بند قبا کے

برترؔ مجھے اس پردہ نشیں سے ہے تعلق
نظروں سے نہاں رہتا ہے جو دل میں سما کے

کیوں کر نہ سوزِ غم سے لبوں پر فغاں رہے — فطرت یہی ہے آگ کے شامل دھواں رہے
پیشِ نظر نشیب و فرازِ جہاں رہے — ہم جس زمیں پہ جا کے رہے آسماں رہے
پیدا خموشیوں میں بھی حسنِ بیاں رہے — ہر جنبشِ نگاہ میں اک داستاں رہے
احسان سر پہ بادِ موافق کا کون لے — ساحل سے دور کشتیٔ عمرِ رواں رہے
آمد شدِ بہار کی گلچیں کسے خبر — ہم تو فریب خوردۂ عہدِ خزاں رہے
کہتی ہے تیز گامیٔ آمد شدِ نفس — پیچھے غبارِ توسنِ عمرِ رواں رہے
اٹھتا تمہیں غبارِ رہِ منزلِ عدم — نظروں میں خاکِ گردِ پسِ کارواں رہے
جھوٹی ہوئی ہے دے کے رقیبوں کو بار بار — کیا قابلِ اعتبار کے ان کی زباں رہے
اے شورِ حشر آ کے جگا دے سرِ لحد — تا چند سرگرانیٔ خوابِ گراں رہے

برترؔ بنے کسی کا وہ کس طرح ہم نوا
جو ہم صفیرِ بلبلِ ہندوستاں رہے

ساز نیرنگِ جہاں ہے خاطرِ دلگیر بھی لب پہ آہِ سحر بھی ہے نالۂ شب گیر بھی
میری آہوں کا ہدف ہے آسمانِ پیر بھی توڑ رکھتے ہیں غضب کا یہ ہوائی تیر بھی
کھنچ گئی شاید لبِ جاں بخش کی تاثیر بھی ورنہ کیوں کھنچتے ہی بول اٹھی تری تصویر بھی
تو بھی ہے بے مثل تیرا حسن پر تنویر بھی کھینچ کر دیکھی ہے شمع طور کی تصویر بھی
غیر کو نا حق شریکِ جورِ بے جا کرلیا مٹ گئی تعزیر سے اب لذتِ تعزیر بھی
ہوگئی تیشہ سے ظاہر سر نوشتِ کوہ کن خون کی ندی ہی آخر کو جوئے شیر بھی
ہے اسے سیدھی طرح آنکھیں ملانے سے حذر بے رخی کرتی ہے تیری نیم رخ تصویر بھی
دل میں ہوگی کم نگاہوں کے ہنر کی قدر کیا زنگ ہے ان کی نظر میں جوہرِ شمشیر بھی
تشنہ کامانِ شہادت العطش کب تک کہیں کیا نہیں ملتا تمھیں آبِ دمِ شمشیر بھی
یادِ مژگاں میں مجھے لطفِ خلش کی کیا کمی کاوش افزا دل میں کچھ نشتر بھی ہیں کچھ تیر بھی
کیوں نہ ہوں محرومِ رحمت زاہدِ طاعت گزار بے گناہی سے ہے بڑھ کر کیا کوئی تقصیر بھی
دل شکن صدمے شکستہ خاطری افتادِ غم اور پھر اس پر ملی پھوٹی ہوئی تقدیر بھی

بول بالا خاکساری کا ہے برتر دہر میں
جھک کے ملتا ہے زمیں سے آسمانِ پیر بھی

خدا کا عشق بھی ہے ان بتوں کی چاہت بھی حریمِ دل میں ہے دوزخ بھی اور جنت بھی
ہجومِ یاس بھی ہنگامہ ہائے حسرت بھی بنا ہے حشر کا میدان کنجِ خلوت بھی
چلے جو صرصرِ آہِ فراق کے جھونکے مٹا غبار، ہوا ہوگئی کدورت بھی

لگاؤ آپ سے ہے لاگ ہے رقیبوں سے ہمارے دل میں محبت بھی ہے عداوت بھی
خلش ہے رشک کی کانٹوں پہ اپنا بستر ہے کھٹک رہی ہے رقیبوں کو ایسی راحت بھی
نگاہِ شوق ہی مضطر نہیں تجلی سے تڑپ رہی ہے پسِ پردہ چشمِ حیرت بھی
بشر اسی سے ملائک فریب بنتا ہے عجیب حسن ہے دنیا میں آدمیت بھی
ہمیں جو آپ سے باہر کیا خوشی ان کی مگر نہ رہ سکے پردہ میں خود بدولت بھی
پسِ قضا مرے عصیاں کا بوجھ کیا کم تھا کہ لاکے رکھ دیا سینے پہ سنگِ تربت بھی
جفا میں نام نکالو، مگر یہ یاد رہے کہ ایک نام ہے بدنامیوں کا شہرت بھی
لگا جو ہجر میں الزام ہوشیاری کا کچھ ان کی بھول تھی اور کچھ ہماری غفلت بھی
لبوں پہ زخموں کے ہے یہ ذمِ نمک پاشی بڑھا دو شورِ تبسم کی اپنے لذت بھی
نہ کیوں نفور رہے تم سے دختِ رز واعظ نظر بھی بد ہے تمہاری بری ہے نیت بھی
غریب دیدۂ گریاں بجھائیں کس کس کو جلن بھی رشک کی ہے دل میں سوزِ فرقت بھی

سوارِ توسنِ عمرِ رواں ہوں اے برتر
ہے عمر بھر کی عدم فرصتی بھی فرصت بھی

بشر کی زندگی بھی کچھ عجب دھوکے میں کٹتی ہے
کہ سن بڑھتا ہے جتنا عمر بھی اتنی ہی گھٹتی ہے
محبت کی کڑی منزل بھی کیا مشکل سے کٹتی ہے
یہ جتنی ہوتی ہے نزدیک اتنی دور ہٹتی ہے

کریں اظہارِ سوزِ عشق کیوں کر شمع کی صورت
زباں پہلے ہی آوازِ سخن سے اپنی کٹتی ہے
ہجومِ حسرت واراماں سے گھبراتے ہو کیوں اتنے
تصور میں تم آؤ تو ابھی یہ بھیڑ چھٹتی ہے
شکایت برطرف آخر عدو سے میل ہو کیوں کر
کہیں اہلِ ہوس سے بھی وفاداری کی پٹتی ہے
یہ سن کر نام اس کا ہاتھ رکھ لیتے ہیں کانوں پر
زبانِ عاشقِ ناکام جس کا نام رٹتی ہے
طلسمِ زندگی وابستۂ لوحِ مقدر ہے
جسے سب عمر کہتے ہیں نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے
یونہی وارفتگیٔ شوق چونکا دیتی ہے مجھ کو
کہ جیسے سوتے سوتے آدمی کی نیند اچٹتی ہے
کہاں کی نیند کس کا خواب سونا کس کو کہتے ہیں
شبِ تابِ جدائی آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹتی ہے
بڑا احسان ہے وارفتگیٔ عشق کا برترؔ
اب اپنی زندگی فی الجملہ بے فکری سے کٹتی ہے

مری آہ آتش فشاں ہورہی ہے
محبت کی گرمی عیاں ہورہی ہے

ترقیٔ دردِ نہاں ہورہی ہے
کہ ہر بات لب پر فغاں ہورہی ہے

عدو کی شکایت بیاں ہورہی ہے
زباں ان کی میری زباں ہورہی ہے

غضب ہے کہ تابِ نظر خود ہماری
حجابِ جمالِ بتاں ہورہی ہے

سنے کون فرہاد و مجنوں کا قصہ
زباں زد مری داستاں ہورہی ہے

مری نبضِ دودی نے باندھی ہوائیں
اطبا کی صورت دھواں ہورہی ہے

نیا ہے یہ انداز یاد خدا کا
زباں شکوہ سنج بتاں ہورہی ہے

گری پڑتی ہے خلق بے دیکھے بھالے
محبت بھی اندھا کنواں ہورہی ہے

جوانی میں پیری کا غم کھارہا ہوں
بہار اپنی وقف خزاں ہورہی ہے

پتہ مل رہا ہے جو بربادیوں کا
مری بے نشانی نشاں ہورہی ہے

یہ فکرِ فلک رس کا ہے اوج برتر
زمیں شعر کی آسماں ہورہی ہے

عمر رو رو کر کٹی ہے عاشقِ بیمار کی
آنسوؤں کی دھار بھی کیا دھار ہے تلوار کی

پردہ داری دیکھنا برقِ جمالِ یار کی
پھونک دی تابِ نظر ہی طالبِ دیدار کی

سو رہے ہیں پاؤں پھیلائے ہوئے کشتے ترے
آگئی نیند ان کو آخر چھاؤں میں تلوار کی

رنگ لائی گرمیٔ خونِ شہیداں دیکھنا
ہاتھ بھر باہر نکل آئی زباں تلوار کی

نزع میں یہ پتلیاں پھرتی نہیں ہیں دیکھنا
کھنچتی ہے آنکھوں میں صورت حسرتِ دیدار کی

رنگ کے بدلے رواں ہیں خون کی پچکاریاں
یہ نئی ہولی ہے مقتل میں نرالا پھاگ ہے
توسنِ عمرِ رواں روکے سے پھر کیوں کر رکے
کیا کسی کے قبضۂ قدرت میں اس کی باگ ہے
شاعری اپنی ہے برترؔ نغمۂ سازِ کہن
اپنے لب پر تو وہی اب تک پرانا راگ ہے



جوشِ وحشت نے کچھ ارماں جو نکالے ہوتے
آبلے دل کے نہ یوں پاؤں کے چھالے ہوتے
کیوں سرِ زلف میں اب جان کے لالے ہوتے
آستیں میں نہ اگر سانپ یہ پالے ہوتے
ہاتھ وحشت میں کفن سے جو نکالے ہوتے
تختۂ سنگِ لحد روئی کے گالے ہوتے
خارِ صحرا کو ہے بے برگیٔ وحشت کا گلہ
پھوٹ کر روتے اگر پاؤں میں چھالے ہوتے
میری ناکامیوں پر توہینِ یہ اندازِ ستم
کرتے کیا قہر جو ارمان نکالے ہوتے
کچھ دکھاتی جو اثر گرم روی وحشت کی
خارِ صحرا کی زبانوں پہ بھی چھالے ہوتے
قدر ہوتی نہ مضامینِ کہن کی برترؔ
گر نہ سکے نئی ٹکسال میں ڈھالے ہوتے

قتل کرنے میں تامل تجھے قاتل کیا ہے
سہل کر دے مری مشکل تجھے مشکل کیا ہے
ایسے جینے پہ یہ مرنا ترا غافل کیا ہے
زندگانی کا بجز موت کے حاصل کیا ہے

زمانہ اس کو دیکھے یہ نہ دیکھا جائے گا مجھ سے کہیں وہ بے حجابانہ قیامت میں نہ آ نکلے

بتوں کے نام کا آخر وظیفہ تا کجا بر تر
کبھی تو منہ سے اے مردِ خدا نامِ خدا نکلے

بچے کیوں کر دلِ عاشق نگاہِ فتنہ ساماں سے
یہی دھن ہے اسے ہر دم کسے تاکے کسے پھانسے
بڑھی حد سے زیادہ جب کشاکش دشتِ وحشت کی
نکل آئی تڑپ کر روح آغوشِ گریباں سے
رہیں محفوظ روشن دل، نہ کیوں کنجِ قناعت میں
نہ الجھا دامنِ صرصر چراغِ زیرِ داماں سے
چلی جاتی ہے ان کی چھیڑ وقتِ چارہ سازی بھی
لگاتے ہیں مرے زخموں پہ مرہم نوکِ پیکاں سے
پسینہ موت کا اس طرح کوئی خشک کرتا ہے
غضب ہے شمعِ ہستی کو ہوا دیتے ہو داماں سے
شکستِ عہد سے خونِ تمنا تو نہیں ہوتا
مری دانست میں اچھی ہے اس بت کی نہیں۔ ہاں سے

آئینہ ششدر ہوا وہ خود بھی حیراں ہو گئے
کون دیکھے ناظر و منظور یکساں ہو گئے

سود کے پہلو زباں سے مل گئے شکلِ سحر
رونقِ دشتِ جنوں چاکِ گریباں ہو گئے

کیا غضب ہے بزمِ دشمن سے نکلتے ہی نہیں
تم بھی اب مجھ سوختہ قسمت کے ارماں ہو گئے

میں نے مانگے تھے جو غم ہائے فراواں یا کریم
وہ بھی تاثیرِ دعائے شامِ ہجراں ہو گئے

جل گئے کمبخت کیا کیا گرمیٔ اخلاق سے
دشمنوں کے حق میں شعلے ان کے احساں ہو گئے

کیوں نہ ہو ذوقِ تپِ غم مژدۂ ذوقِ خلش
نالے آکر تا بلب برگشتہ مژگاں ہو گئے

بھر گیا ہے اس قدر شورِ جراحت کا مزا
اب دہانِ زخمِ بسمل بھی نمکداں ہو گئے

اے جنوں یہ کس کا جلوہ پھر گیا آنکھوں میں آج
کس طرح روشن در و دیوارِ زنداں ہو گئے

ہم تو کل تک جانتے تھے پارسا برتر تمھیں
آج یہ کیسے شریکِ بزمِ رنداں ہو گئے

بڑے نکلے وفا دشمن کہ دشمن آشنا نکلے
تمھیں ہم اپنے دل میں ہائے کیا سمجھے تھے کیا نکلے

مزا جب ہے کفِ افسوس ملنے کا سرِ مقتل
ہمارے خون میں ڈوبا ہوا رنگِ حنا نکلے

عدو سے لڑ کے نظروں نے تری تڑپا دیا مجھکو
خطا ہو کر بھی اے ظالم یہ ناوک بے خطا نکلے

ملا ان کا نشاں خود گرم رفتاری سے ان کے ہی
ہمارے رہنما گویا چراغِ نقشِ پا نکلے

رسائی دامنِ تاثیر تک ہوتی تو کیا ہوتی
بہت کوتاہ قسمت سے مرے دستِ دعا نکلے

جہاں میں اصل سے بڑھ جاتی ہے کچھ نقل کی شہرت
عجب کیا تیرا سایہ تیرے قامت سے سوا نکلے

لگا اس طرح سے ناوک تڑپ کر میرے پہلو سے
دلِ بسمل جدا نکلے ۔ ترا پیکاں جدا نکلے

نہ لب پر نالۂ دل کش نہ آنسو دیدۂ تر میں کوئی واقف ہو کیوں کر پھر ہمارے دردِ پنہاں سے
ہمارا خونِ ناحق آٹھ آٹھ آنسو رلائے گا لہو ٹپکے گا چشمِ جوہرِ شمشیرِ براں سے

اثر بوئے وفا کا ان میں جب دیکھا نہ اسے برتر
عوض پھولوں کے ہم نے چن لئے کانٹے گلستاں سے

شرر باری کا شکوہ اور پھر مجھ سوختہ جاں سے
مری جاں پھول تو جھڑتے نہیں ہیں آہِ سوزاں سے
اسیرِ قیدِ تنہائی رہا وہ خضر[۲] کی صورت
ملا حصہ جسے عمرِ درازِ شامِ ہجراں سے
عذابِ جان ہے عیش دائمی بھی دہرِ حادث میں
خضر کی زندگانی تلخ ہے اب آبِ حیواں سے
ہوئے واعظ پہ بت خانے میں کیا چودہ طبق روشن
وضو کرنے چلے ہیں چشمۂ مہرِ درخشاں سے
بہت گستاخ نکلا غمزۂ حاضر جواب ان کا
کہ وہ بھی آئینہ خانے میں ہیں سر در گریباں سے
ہمیں صبحِ وطن کی روشنی سے کچھ نہیں مطلب
ہم اک شمعِ فسردہ لائے ہیں شامِ غریباں سے

کہاں کی صبحِ محشر شامِ غم تو اے جنوں سر ہو
ملے دامن سے فرصت پھر نپٹ لیں گے گریباں سے

نہیں معلوم تھی وہ کس کی قسمت کی گرہ آخر
کہ تم نے عقدۂ بندِ قبا کھولے جو دنداں سے

ترا مجنوں نہ ہو یہ دیکھ تو محمل سے اے لیلیٰ
کوئی پنہاں ہوا ہے دامنِ گردِ بیاباں سے

دمِ وعدہ خیال اس کا رہے صدقہ نزاکت کا
توقع میری نازک ہے تمھارے عہد و پیماں سے

کہیں گے بعد میرے بزم میں اہلِ سخن برتر
شمیمِ گل کو لے کر اڑ گئی بلبل گلستاں سے

شبِ فرقت میں تاثیرِ سیہ بختی یہاں تک ہے
نقابِ روئے عالم اب مرا دودِ فغاں تک ہے

خرامِ ناز سے عالم تہ و بالا یہاں تک ہے
زمیں تک آسماں سے ہے زمیں سے آسماں تک ہے

رہے گا دم نہ خنجر میں نہ یہ مشقِ ستم ہوگی
سرِ بیداد جو کچھ ہے فقط مجھ نیم جاں تک ہے

فرشتے جانتے ہیں کچھ عروجِ آدمِ خاکی
یہی ہے وہ مکیں جس کی رسائی آسماں تک ہے

ذکر آشیانے کا
زبانِ خلق پہ کچھ رہ گیا
وگرنہ اب چمن میں بے نشاں اپنا نشاں تک ہے
وہی عالم نقاہت کا ہے اپنی خاک ہوکر بھی
فتادہ دوشِ صرصر سے غبارِ کارواں تک ہے
وفور ضعف و بیداری نے فرقت میں ستم ڈھایا
مری آنکھوں کو بار اب حسرتِ خوابِ گراں تک ہے
وہ دن آئے کہ اے سخت جانی میں دکھا دوں گا
یہ شوریدہ سری جو کچھ ہے سنگِ آستاں تک ہے
بنایا آئینہ ایسا صفائے قلب نے مجھ کو
مری صورت سے ظاہر اب ترا جورِ نہاں تک ہے
مٹانا سوچ کر ظالم ذرا مجھ سے ستم کش کو
ترا اوجِ ستم بھی نالۂ عرش آشیاں تک ہے
کریں گے دل کو ٹھنڈا آتشِ سیال سے اب تو
رسائی اپنی اے برترؔ درِ پیرِ مغاں تک ہے



مدد اے پردہ داری روح بھی کھنچ کر نکل جائے
مگر آنسو نہ کوئی آنکھ سے باہر نکل جائے

خیالِ داغِ دامانِ نزاکت آگیا ورنہ
یہ ممکن تھا کہ یوں کورا ترا خنجر نکل جائے
شکستِ رنگ ہی دے دے تہہِ بزمِ شبینہ کا
جوان آنکھوں سے رنگِ بادۂ احمر نکل جائے
الہٰی دیدۂ گریاں سے کوثر کی اٹھیں موجیں
یہ ارمانِ غلامِ ساقیٔ کوثر نکل جائے
خلش دردِ محبت کی ہے ساری میری رگ رگ میں
تصدق ناوکِ مژگاں کا یہ نشتر نکل جائے
کہاں تک دشت گردی انقلابِ دہر کے ہاتھوں
کوئی ایسی بھی گردش ہو کہ یہ چکر نکل جائے
کسی کی مدھ بھری آنکھیں رہا کرتی ہیں چکر میں
مری تقدیر سے یہ گردشِ ساغر نکل جائے
اگر ایسی ہی شوریدہ سری ہے جوشِ وحشت کی
عجب کیا ہے تری دہلیز کا پتھر نکل جائے
مدد اے جوشِ گریہ طاقتِ ضبطِ فغاں کب تک
کہیں ایسا نہ ہو سینے سے دم گھٹ کر نکل جائے
کسی کا قہر ہی اے کاش وجہِ بے حجابی ہو
مزہ ہو کوئی جامہ سے اگر باہر نکل جائے

فلک بھی پردۂ گوشِ بتاں ہے کیا کوئی یا رب
ہماری آہ اور پھر اس سے یہ بچ کر نکل جائے

نہ پوچھو مجمعِ اغیار میں حالت مرے دل کی
ذرا ٹھیرو کہ یہ ہنگامۂ محشر نکل جائے

بہت بے چین ہے یہ جذبِ شوقِ ذبح او قاتل
ذرا ہشیار قبضہ سے نہ پھر خنجر نکل جائے

تمھارا ہوچکا جو کہہ دیا وہ کہہ دیا منہ سے
نہیں ممکن کہ اپنی بات سے بر تر نکل جائے



یہ ان کی بزم میں حیرت سے میرا عالم ہے
کہ اک لگا ہوا آئینہ قدِ آدم ہے

یہ وسعتِ دل ایذا طلب کا عالم ہے
کہ جس قدر وہ زیادہ ستم کریں کم ہے

کچھ ایسے حال سے قاتل شریک ماتم ہے
کوئی یہ سمجھے کہ اس کو بہت بڑا غم ہے

مجھے تو پھونک دیا سوزِ رشکِ دشمن نے
جو بزم رشک جناں تھی وہ اب جہنم ہے

مرے نصیب سے مل کر نبی سیہ بختی
وہی جوان کے لیئے تابِ زلف برہم ہے

ہوائیں باندھیں یہ سوزِ فغانِ بلبل نے
اڑی ہوئی رخِ گل سے چمن میں شبنم ہے

وہ اپنے چاہنے والوں پہ زہر کھاتے ہیں
ہمارے حق میں تو آبِ زندگی سم ہے

زباں سے کہہ نہیں سکتا جو ہے مرے دلمیں
بیانِ مطلبِ عاشق بھی خوابِ ابکم ہے

کوئی ٹھکانہ بھی فرقت میں مرنے جینے کا
قضا ہے بس کی نہ قبضے میں ابنِ مریم ہے

مرے نصیب کا بل ہے کجی مقدر کی
وہ بانکپن ہے جو ابرو میں آپ کی خم ہے

کہاں گئیں وہ تلون مزاجیاں تیری
کہ ایک حال پہ مدت سے رنگِ عالم ہے

لگی ہوئی ہے جو ہچکی صراحیٔ مے کو
یہ ہو نہ ہو کسی میکش کا آج ماتم ہے

مزاجِ یار کی بے اعتباریاں توبہ
خفا تھا غیر سے کل، آج مجھ سے برہم ہے

بھلائیں ہم غمِ میکش کو کس طرح برترؔ
کہ بے خودی میں بھی گریاں یہ چشمِ پرنم ہے

•

تجلی رخِ روشن کہیں مستور ہوتی ہے
نقاب اس شوخ کی فانوسِ شمعِ طور ہوتی ہے

تصور بن کے آجاتے ہیں میرے خانۂ دلمیں
کبھی صاحب سلامت جب انھیں منظور ہوتی ہے

کسی کا ذکر کیا آپے سے خود ہو جاتا ہوں باہر
مجھے خلوت جو ان کے واسطے منظور ہوتی ہے

وہ ہوں دلدادۂ کشِ ارماں لہو آتا ہے رس رسکر
اگر زخمِ جگر کو خواہشِ انگور ہوتی ہے

مرے زخموں کی بتی بنتی ہے کافور کی بتی
ترقی پر کبھی جب سوزشِ ناسور ہوتی ہے

تجلی عارضِ روشن کی جب پڑتی ہے آنکھوں میں
مری ہر نوکِ مژگاں شاخِ نخلِ طور ہوتی ہے

وہ جب دستِ حنا بستہ کو رکھ دیتے ہیں سینہ پر
جلن بھی تو دلِ پر سوز کی کافور ہوتی ہے

خدا آساں کرے دشواریاں راہِ محبت کی
یہ منزل جتنی طے ہوتی ہے اتنی دور ہوتی ہے

اثر ان کی تلون کا بنی امید بھی برترؔ
کہ یہ رہتی ہے دل ہی میں نہ دل سے دور ہوتی ہے

مثالِ آئینہ اب رونمائی ہوتی جاتی ہے
کدورت مٹتی جاتی ہے صفائی ہوتی جاتی ہے
عیاں خود بینیوں سے خود نمائی ہوتی جاتی ہے
بتوں کی شان شانِ کبریائی ہوتی جاتی ہے
مثالِ جام توبہ ٹوٹتی رہتی ہے کیا کیجئے
عیاں سب پر ہماری پارسائی ہوتی جاتی ہے
عجب نیرنگ ساماں ہے رقیبوں کا مقدر بھی
برائی کرتے جاتے ہیں بھلائی ہوتی جاتی ہے
ہوائیں بندھ رہی ہیں غیرِ بد بیں کی وہاں کیا کیا
یہاں میری فغاں تیرِ ہوائی ہوتی جاتی ہے
قفس میں ہوش اڑ جاتے ہیں اس ضعف و نقاحت پر
میرے حق میں اسیری اب رہائی ہوتی جاتی ہے
ہوئی مدت کہ لکھا مٹ گیا تقدیر کا لیکن
درِ جاناں پہ اب تک جبہ سائی ہوتی جاتی ہے
وہاں مشقِ ستم اب ہوتی رہتی ہے رقیبوں پر
یہاں برباد محنت کی کرائی ہوتی جاتی ہے
بتوں کے عشق میں انجام برترؔ پوچھتے کیا ہو
خدائی خوار کی دشمن خدائی ہوتی جاتی ہے

●

نشانِ معمارِ قدرت کا ہے یہ تعمیر مٹی کی
مگر تصویر میں تصویر ہے تصویر مٹی کی
جو سنتی صانعِ قدرت کو تھی تقریر مٹی کی
کچھ اس صورت سے پھر بول اٹھی تصویر مٹی کی
پکار اٹھے فرشتے دیکھ کر تنویر مٹی کی
الٰہی نور کا پتلا ہے یا تصویر مٹی کی
یہ پتلا خاک کا ہو شکوہ سنج بختِ بد کیونکر
لبِ تقریر وا کرتی نہیں تصویر مٹی کی
ازل سے پابہ گِل ہوں چار دیوارِ عناصر میں
مرے پاؤں میں اچھی ڈال دی زنجیر مٹی کی
نکالا بزم سے شکلِ غبارِ خاطرِ دشمن
سرِ بزمِ عدو تم نے مری توقیر مٹی کی
شبیہِ آفرینش کا ہے خاکہ شکل انساں کی
نہ یہ پتھر کی مورت ہے نہ یہ تصویر مٹی کی
کہے دیتے ہیں یہ آمد شدِ انفاس کے جھونکے
ہوا پر ایک دن اڑ جائے گی تعمیر مٹی کی

اڑادی مشتِ خاک اپنی ہوا پر دشت وحشت نے
ہماری خاک کیوں ہوتی گریباں گیر مٹی کی

ادب سے کرلیا سجدہ فرشتے کھاگئے دھوکہ
نئی صورت سے صورت ہوگئی تغیر مٹی کی

خموشی کس لئے شرم و حیا کیسی ہنسو بولو
بنے جاتے ہو تم تو وصل میں تصویر مٹی کی

یقینی حرفِ مطلب پر ستمگر خاک ڈالے گا
ضرورت ورنہ کیا اس کو دمِ تحریر مٹی کی

اثر میرے جنوں کا ہوگیا حداد پر شاید
بناتا ہے جو لوہے کے عوض زنجیر مٹی کی

خدا کی شان مسجودِ ملک ہو خاک کا پتلا
بڑھائی خاکساری نے بھی کیا توقیر مٹی کی

خیالِ عالمِ طفلی ہرا جاتا ہے اے برتر
عمارت جب نظر آتی ہے نو تعمیر مٹی کی



جان دے دینی شبِ غم میں نہ تھی بھاری مجھے
کیا کروں مجبور کرتی ہے وفاداری مجھے

عذرِ نا کردہ گناہ برتر ہے کروں تو کیا کروں
دھمکیاں دیتا ہے پاسِ رحمتِ باری مجھے



انجام بیں ملی ہے نظر اس قدر مجھے ‏ کِھولی جب آنکھ موت ہی آئی نظر مجھے
دے کر فریبِ جلوۂ حسنِ بشر مجھے ‏ رکھا حجابِ دید میں شکلِ نظر مجھے
اب اور لے کے جائے کہاں دردِ سر مجھے ‏ کعبہ میں بھی ملا نہ ترا سنگ در مجھے
دونوں کا ایک حال ہے دردِ فراق سے ‏ روتا ہوں دل کو میں تو دلِ نوحہ گر مجھے
گم گشتگیٔ دشتِ جنوں سدِ راہ ہے ‏ یہ کیوں کہوں کہ یاد نہیں اپنا گھر مجھے
اے بے خودیٔ حسرتِ دیدار یہ تو کہہ ‏ آئے گا کیا نظر اگر آیا نظر مجھے
اپنی طرح سے نقشِ کفِ پائے مردگاں ‏ بٹھلا کے چل دیئے ہیں سرِ رہگذر مجھے
وہ شوخیوں پہ غش میں تو بے تابیوں پہ میں ‏ اپنی خبر انھیں ہے نہ اپنی خبر مجھے
نادم ہوئے جو غمزۂ حاضر جواب سے ‏ دیکھا بجائے آئینہ منھ پھیر کر مجھے
ڈر ہے کہ پھیل جائیں نہ دھبے گناہ کے ‏ نادم کرے کہیں نہ مری چشمِ تر مجھے
ہے کاروانِ عمرِ رواں کوچ میں مدام ‏ غربت وطن میں ہے تو حضر میں سفر مجھے
آنکھوں میں میری حسرتِ نظارہ کس کی ہے ‏ رکھتے ہیں کیوں نگاہ میں اہلِ نظر مجھے
بھولے سے لیکے غیر کا خط آگیا نہ ہو ‏ گھبرا کے دیکھتا ہے یہ کیوں نامہ بر مجھے
ملتا نہ خوبیٔ نگہِ اولیں کا لطف ‏ ہوتا اگر نظارۂ بارِ دگر مجھے

اف تک نہ کی جو منھ سے مرے شورِ غم پہ ہائے — سمجھے ہوئے تھے وہ بھی چراغِ سحر مجھے

پیری میں اور شامِ جوانی کی غفلتیں
برترؔ یہ نیند آئی ہے وقتِ سحر مجھے

دل ہے کیا سہما ہوا تیرِ نگاہِ ناز سے — ہوش اڑتے ہیں شکستِ رنگ کی پرواز سے
تم ذرا میت کو ٹھکرا دو خرامِ ناز سے — تو ابھی پڑھوا دوں کلمہ منکرِ اعجاز سے
تھی کسے امید چرخِ تفرقہ پرداز سے — طالعِ خفتہ جگائے گا تری آواز سے
دیکھ لیں گے آمدِ خوابِ عدم کی سیر بھی — گر ملی، فرصت خیالِ گوش بر آواز سے
اسطرح صیاد کیوں رکھتا قفس اندر قفس — ہو نہ ہو ڈرتا ہے میری طاقتِ پرواز سے
کرتے ہو ناحق مری بے تابیٔ دل کا گلا — تم ہوئے بدنام اپنے غمزۂ غماز سے
آسماں پر ہے دماغ افتادگانِ خاک کا — یہ کبھی کرتے نہیں نالے بلند آواز سے
کیا یہ میری ہوشیاری لائق نازش نہیں — اٹھ کے آیا ہوں کسی کی جلوہ گاہِ ناز سے
ایسے از خود رفتہ کا ہوتا کوئی دمساز کیا — آپ نا محرم ہو جو کم بخت اپنے راز سے
شاق تھا ایسا مذاقِ غم گسارانِ قفس — اڑ گئے ہوش اپنے پہلے رخصتِ پرواز سے
کیا قیامت ہے ہمیں پر ٹوٹ پڑتا ہے فلک — مر مٹے ہم نالہائے آسماں پرواز سے
داستانِ غم انھیں پوری سناؤں کسطرح — کہتے ہیں انجام کہہ دو پہلے تم آغاز سے
فاش ہو کر پھر نہیں کھلتا کسی پر ان کا بھید — بے کہے واقف ہے اک دنیا ہمارے راز سے

ہیں مرے نغمے بھی برترؔ واقفِ اسرارِ غیب
ہم نفس ہوں میں بھی روحِ بلبلِ شیراز سے

نہیں درخورِ شکوہ الفت کسی کی ۔ دعا بن کے نکلی شکایت کسی کی
زمانے کی حالت ہے صورت کسی کی ۔ کچھ اس درجہ ہے شوخ رنگت کسی کی
حجاب آفریں ہے نزاکت کسی کی ۔ نگاہوں میں پھرتی ہے صورت کسی کی
ہے افتادِ قسمت نزاکت کسی کی ۔ نظر بن گئی ہے مصیبت کسی کی
کوئی جان تک دے نہ دے کوئی تسکین ۔ کسی کا وہ دل یہ طبیعت کسی کی
کوئی پیشِ آئینہ ہے محوِ زینت ۔ بدل جائے اس دم جو نیت کسی کی
کوئی ذکرِ دشمن پہ کھویا گیا ہے ۔ ملے گی نہ پھروں طبیعت کسی کی
نکالے تھے پر پرزے شوخی نے لیکن ۔ جمادی نزاکت نے رنگت کسی کی
خموشی کے تیور، تغافل کے پہلو ۔ سراپا ہے تصویر صورت کسی کی

تجاہل سے کہنا کسی کا یہ برتر
یہ تصویرِ غم کیوں ہے صورت کسی کی

لطف کچھ دردِ محبت کا اٹھالے کوئی ۔ جس بہانے سے ہو کچھ اشک بہالے کوئی
تشنہ کا مِ شہادت کی دعا لے کوئی ۔ قتل کر کے تو انھیں کاش جلالے کوئی
دل سرِ زلفِ پریشاں میں نہ ڈالے کوئی ۔ آستینوں میں کبھی سانپ نہ پالے کوئی
کہہ رہا تھا کوئی ہاتھوں سے کلیجہ تھامے ۔ دل چرا کر نہ کہیں آنکھ چرالے کوئی
ضعف سے سانس بھی چڑھتی ہے تو دم لے لیکر ۔ ہاتھ پھر جینے سے کس طرح اٹھالے کوئی
دل کو آیا ہے نہ آئے گا یقین وعدہ کا ۔ لاکھ قرآن اگر سر پہ اٹھالے کوئی

رحم اے حسرتِ پابوس یہ ہے خوف مجھے
دل کو مہندی کی طرح پیس نہ ڈالے کوئی

اس ستمگر کی نگاہوں میں سمانا کیسا
آنکھ سے آنکھ تو محفل میں ملالے کوئی

ہائے وہ شوخیٔ مستانۂ ساقی سرِ بزم
پھر یہ کہنا کہ مجھے جلد سنبھالے کوئی

قتل کرنے کا اسی ناز پہ دعویٰ کیا خوب
چوم لوں ہاتھ جو تلوار اٹھالے کوئی

نہ اڑے تشنگیٔ شوقِ شہادت کب تک
تا کجا دامنِ خنجر کی ہوالے کوئی

کھالیا شوق سے بیمارِ محبت نے انھیں
دے گیا غم کے جو دو چار نوالے کوئی

کثرتِ ذوقِ تماشا سے ہیں راہیں مسدود
کس طرح حسرتِ دیدار نکالے کوئی

وعدہ کرنا ہے تو کرلے کوئی وعدہ مضبوط
بند میں ایک گرہ اور لگالے کوئی

جی چراتے ہیں کوئی اہلِ وفا اے برتر
موت سے ڈرتے ہیں سر بیچنے والے کوئی

بہار آتے ہی سامانِ جنوں کیا کیا صبا لائی
گریباں لائی غنچوں کا گلِ ترکی قبا لائی

شبِ ہجراں جو آئی یادِ گیسوئے رسا لائی
بلا اک اور بھی ظالم یہ ساتھ اپنے لگا لائی

شکستِ توبہ پھر کیفیتِ فرحت فزا لائی
سوئے میخانہ کالے کالے بادل پھر ہوا لائی

کیا کچھ بھی نہ آخر پاس اندازِ نزاکت کا
مرے گھر تک انھیں پابندیٔ جذبِ وفا لائی

صبا نے بھی لگادی خوب ہی مٹی ٹھکانے سے
کہ مشتِ خاک میری کوئے جاناں میں اڑا لائی

بنے بیٹھے ہیں کیوں آئینہ شاید ان کی خود بینی
کوئی آئینہ خانہ میں نئی صورت دکھا لائی

کسی کی گرمیٔ رفتار کوئے غیر میں بھی ہے
مجھے رستہ بنانے کو چراغِ نقشِ پا لائی

غضب ہے میکدے سے زاہدِ بے کیف کی نیت
مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے سب ٹکڑے اٹھالائی

چھڑائے سے نہیں چھٹنے کا داغِ دامنِ محشر
مری تر دامنی کچھ رنگ اگر روزِ جزا لائی

سمجھ کر جور کا شکوہ خموشی پر بگڑ بیٹھے
مصیبت مجھ پہ خود میری فغانِ بے صدا لائی

کجا وہ گوشۂ مرقد کجا یہ عرصۂ محشر
کہاں سے تو کہاں مجھ کو تلاشِ دلربا لائی

شبِ غم ضعف سے چلتی نہیں ہے سانس بھی اپنی
پھر اس پر بیستم پیغام چلنے کا قضا لائی

نہ پہنچی آہ میری پردہ ہائے گوشِ جاناں تک
ہوا کیا عرش کی زنجیر اگر جاکر ہلا آئی

درِمے خانہ بر تر اور دعویٰ پارسائی کا
تیری غیرت یہاں تک کس طرح مردِ خدا لائی

کچھ بھی نہ کھل سکا کدھر آئے کدھر گئے
دل کی طرح وہ آئے مثالِ نظر گئے

دعوے ترے وہ اے تپشِ دل کدھر گئے
پھائے تو آج زخمِ جگر کے اتر گئے

زنداں میں قید ہو کے جو شوریدہ سر گئے
غل طوق نے کیا کہ وہ دیوار و در گئے

افتادگانِ خاک نہ تھے نقشِ پائے غیر
پھر کیا سمجھ کے وہ انھیں پاماں کر گئے

یا رب وہ شورِ نالۂ زنجیر ہی نہیں
یا روز سنتے سنتے مرے کان بھر گئے

پوچھا خدا کے دھوکے میں اس بت کے نام کو
منکر نکیر ہم سے بڑی چال کر گئے

واعظ چلیں گے خمیۂ کوثر پہ ایک دن
ٹھنڈی یہاں جو آتشِ سیال کر گئے

کعبہ میں ہے پتہ نہ ٹھکانہ ہے دیر میں
آوارگانِ عشقِ الٰہی کدھر گئے

ان سے تو ایک بار بھی خنجر نہ اٹھ سکا
ہم لاکھ بار لے کے ہتھیلی پہ سر گئے

دیکھی گئیں نہ برقِ تجلی کی شوخیاں — اب وہ حواس حضرتِ موسیٰ کدھر گئے
آنکھیں بھر آئیں دیکھ کے جام و سبو تہی — ساقی کی یاد آتے ہی پیمانے بھر گئے
تکلیفِ سوزِ ہجر کا اچھا کیا علاج — ٹھنڈا چراغِ زیست ہی آخر وہ کر گئے
گھر غیر کے گئے تھے دبے پاؤں وہ مگر — فتنوں کی طرح نقشِ کفِ پا ابھر گئے
دیکھیں جو اپنے جلوہ کی حیرت فزائیاں — کرتے ہوئے وہ شکوۂ اہلِ نظر گئے
طرفہ علاجِ کثرتِ ذوقِ خلش ہوئی — کانٹوں سے زخم آبلۂ پا کے بھر گئے
واعظ جو آئے میکدہ میں رنگ آگیا — جامِ شراب خون سے توبہ کے بھر گئے
بے خوف کس قدر ہیں قدح خوار دیکھنا — دوزخ میں خشک کرنے کو دامانِ تر گئے

برترؔ گلۂ کدورتِ دشمن سے کچھ نہیں
احباب ہی مجھے تو تہِ خاک کر گئے

شوخیٔ رفتار سے فتنے بپا ہونے لگے — آج ہی وعدے قیامت کے وفا ہونے لگے
دیکھنا رنگ تلون کیا سے کیا ہونے لگے — تھے ابھی بے باک ابھی گرمِ حیا ہونے لگے
گرم رفتاریٔ کوئے غیر کیوں کم ہو چلی — کیا سبب ہے گل چراغِ نقشِ پا ہونے لگے
ضبط اخفائے محبت سے بھی ہوں کیا کیا خجل — شکوۂ غم نالہ ہائے بے صدا ہونے لگے
بڑھ چلے ہیں قامتِ موزوں سے گیسوئے دراز — اب تو یہ فتنے قیامت سے سوا ہونے لگے
ماجرائے دردِ فرقت کی مرے طولانیاں — داستانِ غم حروفِ مدعا ہونے لگے
اک جہاں قائل ہے ذوقِ لذتِ بیداد کا — اب کسی کے ظلمِ بے جا بھی بجا ہونے لگے

آبلہ پائی کی میری یہ حفاظت دیکھنا خار تک مژگانِ چشم نقشِ پا ہونے لگے
انتظارِ وعدہ فردا کی شورش الاماں میرے گھر میں آج ہی محشر بپا ہونے لگے
رخصتِ تسکینِ دل دینے لگی تمکینِ حسن وہ لبِ نازک تبسم آشنا ہونے لگے
وصل میں اللہ رے ذوقِ ہوائے انبساط عقدہ ہائے خاطرِ ناشادوا ہونے لگے
ذوقِ جانبازی بھی کھویا التفاتِ عام نے بوا لہوس ہم پیشۂ اہلِ وفا ہونے لگے
شوخیٔ رفتار کی نخوت کا اب کیا پوچھنا روکشِ مہر سلیماں نقشِ پا ہونے لگے

گر یہی دم خم ہے برتر ابروئے خم دار کا
آپ کیوں منت کشِ تیغ قضا ہونے لگے

جھگڑا یہی ہے عمرِ دو روزہ کا قضا سے مارا مجھے بیگانگیٔ طرزِ جفا سے
واقف نہیں وہ ہمتِ اربابِ وفا سے میں اور گلہ ان کا قیامت میں خدا سے
ہے قافلۂ عمرِ رواں کوچ میں ہر دم آوازِ نفس کم نہیں کچھ بانگِ درا سے
قاتل نہ شہیدانِ محبت سے الجھنا پی جائیں گے پانی ترے خنجر کا یہ پیاسے
تکلیفِ خمار ایسی اٹھائی ہے کہ ساقی ہوش اڑتے ہیں اب قلقلِ مینا کی صدا سے
دھڑکا یہی رہتا ہے دمِ فتنہ خرامی اٹھے نہ قیامت ترے نقشِ کفِ پا سے
سینکیں گے ترے شعلۂ رخسار سے آنکھیں جائیں گے جہنم کو تو جائیں گے بلا سے
ہے رحمتِ باری پہ بھروسہ ہمیں واعظ ہم اور خطا وار ہوں ناکردہ گنہ سے
میں اور سرِ سجدہ سرِ کوچۂ دشمن مجبور ہوا ہوں ترے نقشِ کفِ پا سے

کچھ گرمیٔ رفتار کی تاثیر ہے الٹی جاگ اٹھتے ہیں فتنے ترے دامن کی ہوا سے
آہوں سے چمک جاتے ہیں داغِ دلِ سوزاں شمعیں بھی یہ طرفہ ہیں کہ جلتی ہیں ہوا سے
دل ایسا توکل سے غنی ہے مرا برتر
نفرت میرے سائے کو رہی بالِ ہما سے

مست کچھ ایسی نگاہِ ساقیٔ گلفام ہے میکدہ کا میکدہ گردش میں شکلِ جام ہے
کیا کہوں کیا چیز لطفِ تلخیٔ دشنام ہے یہ سزا کی ہے سزا ، انعام کا انعام ہے
کیوں نظربازِ محبت ہو نہ اندھا رشک سے جلوۂ دیدار پہلے خاص تھا اب عام ہے
میں نہ باز آؤں وفا سے تم نہ چوکو ظلم سے اس میں شہرت ہے تمھاری اس میں میرا نام ہے
جل گیا دل سوزِ الفت سے تو پھر آنسو کہاں گریۂ عاشق نہیں اشکِ نقابِ خام ہے
یہ شبِ وعدہ کی بے تابی ہے یا دیوانگی صبح سے پہلے ہی مجھ کو انتظارِ شام ہے
سرنوشتِ بخت کی یہ ہیں فرامشکاریاں بھولتا ہے اس کو قاصد جو مرا پیغام ہے
سایۂ دیوار پر بھی چاندنی کا ہے گماں کس کا جلوہ آج یہ زیبِ فرازِ بام ہے
جان جائے گی جوابِ صاف سنکر نامہ پر قطع رسمِ خط کتابت موت کا پیغام ہے
رہ نوردِ منزلِ ہستی ہوں میں راحت کہاں سانس رک جائے تو پھر آرام ہی آرام ہے
خوف سے ساقی کے آخر پی گئے آنسو بھی ہم ہاتھ میں اپنے یونہی خالی کا خالی جام ہے
ہر نفس کرتے ہیں اپنے کعبۂ دل کا طواف جامۂ ہستی ہمارا جامۂ احرام ہے
دیکھئے کعبہ میں کیا ہو سنگِ اسود دیکھ کر ایک مدت سے یہ دل گرویدۂ اصنام ہے

تلخ ہے بے آتشِ سیال اپنی زندگی   اب تو اے ساقی ہتھیلی کا پھپھولا جام ہے
آگیا آنسو میں پیامِ اجل برتر مگر
مجھ کو اب تک انتظارِ نامہ و پیغام ہے

نقشہ نہ میرا ضعف سے پورا کھنچا کبھی   چہرہ اتر گیا کبھی رنگ اڑ گیا کبھی
جز بے خودی کچھ اور نہ حاصل ہوا کبھی   دیکھا گیا نہ مجھ سے ترا دیکھنا کبھی
وہ خاک پر ہے میں ہوں نہ خاک ضعف سے   مجھ سے نہ دب سکے گا ترا نقشِ پا کبھی
ہیں سدِ راہ سینکڑوں تارِ نگاہِ شوق   مجھ تک نہ آیا لطف تری دید کا کبھی
شاید ہے پردہ داریٔ جورِ بتاں پسند   آئے شکستِ شیشۂ دل کی صدا کبھی
جز تیرے ہم سے کب ہوئی منت کشیٔ غیر   اٹھے نہ بیخودی میں بھی دستِ دعا کبھی
تارِ نظر ہیں اہلِ نظر کے بندھے ہوئے   پردہ اٹھا نہ رخ سے جو پردہ اٹھا کبھی
حسرت نہ نکلی زخمِ دلِ پاش پاش کی   باندھی نہ چاک دامنِ گل نے ہوا کبھی
پابندیاں بڑھی ہیں نزاکت کی اس قدر   ان سے خیال میں بھی نہ آیا گیا کبھی
کچھ ایسا میری گرم روی سے ہوا تباہ   سرسبز پھر نہ وادیٔ وحشت ہوا کبھی
برتر بتوں کے عشق میں یہ ہرزہ کاریاں
آئے گی شرم بھی تجھے مردِ خدا کبھی

دل اگر محوِ خیالِ رخِ جاناں ہو جائے   دشت پر آنکھ جو ڈالوں تو گلستاں ہو جائے
نظر افروز اگر جلوۂ جاناں ہو جائے   ذرہ آنکھوں میں مری مہرِ درخشاں ہو جائے

شدتِ غم ہے مری زیست کا پہلو یعنی سخت مشکل ہو یہ مشکل اگر آساں ہو جائے
شعلہ رو فاتحہ خوانی کو الٰہی آئیں میری تربت پہ اسی طرح چراغاں ہو جائے
خوب دویوں کے بگڑنے میں بھی ہے ایک بناؤ زلف کا حسن ہے رخ پر جو پریشاں ہو جائے
وسعتِ دستِ کرم سے تری کچھ دور نہیں کہ مجھے عذر تنک ظرفیٔ داماں ہو جائے
تم ڈوپٹے سے چھپالو رخِ پرنور اگر شعلۂ حسن چراغِ تہِ داماں ہو جائے
نگہ مست کی افتاد عیاذاً باللہ میری توبہ بھی نہ ساقی ترا پیماں ہو جائے
یاس اتنی ہو کہ جینے کی نہ کچھ آس رہے درد بڑھ جائے کچھ اتنا کہ وہ درماں ہو جائے
ہم تو مر کر بھی نہ جائیں گے تیرے کوچہ سے جسکے دل میں ہوسِ گلشنِ رضواں ہو جائے
پردہ در ہو پرِ پروانۂ جانسوز اگر شعلہ فانوس کے پردے میں بھی عریاں ہو جائے
حضرتِ شاد کی محفل بھی ہے وہ بزمِ ادب جو شریک اس میں ہو قسمت سے سخنداں ہو جائے
مجھ سیاہ بخت کا پھر کون ہو ساتھی بدتر دھوپ بھی جب میرے سائے سے گریزاں ہو جائے

زبانِ شمع ہے سوزِ محبت سے زباں میری
ہوئی منتِ کشِ گوشِ شنیدن کب فغاں میری
بنی ہیں غازۂ روئے فلک بربادیاں میری
اڑائے خاک اب کیا توسنِ عمرِ رواں میری
شبِ فرقت میں حالت ہے یہ زار و ناتواں میری
کہ دم رکتا ہے جس دم نبض ہوتی ہے رواں میری

اڑاتے ہیں روش کیوں نالۂ زندانیاں میری
نہ آئی ہے نہ آئے گی کبھی طرزِ فغاں میری

ٹھکانہ ان کا شوخی سے نہ حیرت سے پتہ میرا
وہی اک بے نشانی ہے وہاں ان کی یہاں میری

تلاشِ منزلِ مقصود میں رکھتی ہے سرگرداں
کہیں ٹکنے نہیں دیتی ہے یہ عمرِ رواں میری

ہوئی مدت رہائی کو مگر یہ رنگِ وحشت ہے
درِ زنداں پہ اب تک پھرتی ہیں پرچھائیاں میری

سرِ بزمِ سخن کٹتے ہیں کیا کیا مدعی دل میں
زبانِ تیغِ قاتل بن کے چلتی ہے زباں میری

کدورت آندھیوں کو ہے جلن ہے برق کو مجھ سے
بہت اونچی گلستاں میں ہے شاخِ آشیاں میری

سوالِ وصل پر وہ کس طرح انکار کرتے ہیں
دمِ عرضِ تمنا ہو دہن ان کا زباں میری

مزہ ہو وصل کی شب یوں چلیں چوٹیں برابر کی
ادھر ہو شوخیاں ان کی ادھر بے تابیاں میری

جوابِ خونِ ناحق سوچ لے قاتل سرِ محشر
دمِ پرسش چلے گی صورتِ خنجر زباں میری

نگاہ شرمگیں نے کہہ دیا کیا اس ستم گر کی
ابھی کچھ کہتے کہتے رک گئی بر تر زباں میری



ہوش گم کردہ نہ بالیں سے مسیحا جاتے
نبض بیمارِ محبت کی اگر پا جاتے

ساتھ لے کر تجھے ہم اے شبِ یلدا جاتے
دیکھنے صبحِ قیامت کا جو میلا جاتے

چار آنسو سرِ تربت جو وہ ٹپکا جاتے
نخلِ میت میں محبت کے ثمر آ جاتے

ساتھ میرے جو نہانے کو وہ گنگا جاتے
غیر آنکھوں سے بہاتے ہوئے دریا جاتے

بت کدہ دل کو بناتی جو کسی کی مورت
ہم نہ کاشی نہ جگناتھ نہ متھرا جاتے

الفتِ قامتِ جاناں جو اجازت دیتی
دیکھنے ہم بھی قیامت کا تماشا جاتے

چھوٹ جاتی نہ کوئی پاؤں کی مہندی انکی
چلتے چلتے مری تربت کو جو ٹھکرا جاتے

حشر تک پردۂ بے داد نہ کھلنے پاتا
میرے لاشہ کو کفن آپ جو پہنا جاتے

کچھ تو خود رفتگیٔ عشق کا پاتے ایما
آپ میں آتے نہ پھر آپ سے ایسا جاتے

بیکسی کا جو مری ہوتا عزیزوں کو خیال
چھوڑ کر یوں نہ مجھے قبر میں تنہا جاتے

کون پھر قیس کی تقدیر کا چکر بنتا
گر بگولے نہ پسِ ناقۂ لیلیٰ جاتے

دل کے داغوں میں بھی ہے برقِ تجلی کی چمک — طور پر کس لئے ہم صورتِ موسیٰ جاتے
غمِ عقبیٰ سے جو ہوتا نہ دل اپنا معمور — چھوڑ کر ہم نہ تجھے حسرتِ دنیا جاتے
جستجو کی تری آہوں کی جلاکر مشعل — اور کیا لے کے چراغِ یدِ بیضا جاتے

کان رکھتے اگر اصنامِ حرم اے برترؔ
ہم بجاتے ہوئے ناقوسِ کلیسا جاتے

قابلِ دید ہے زخموں کی پریشان حالی — لاکے دکھلا دیئے قاتل نے نمک دان خالی
صبحِ امید کی صورت نظر آئے کیونکر — میری قسمت سے ہے بڑھ کر شبِ ہجراں کالی
سرگرانی کی خلش میں ترے وحشی کیلئے — سنگ سے کوہ تو کانٹوں سے بیاباں خالی
وقتِ نظارہ یہ برگشتہ نگاہی کیسی — کیا نئی طرح پئے رخنۂ ایماں ڈالی
لفظ نکلا جو مرے مونہہ سے وہیں کاٹ دیا — بات دشمن کی نہ تم نے کسی عنواں ٹالی
سن کے حالِ دل مضطر خفگی یہ کیسی — عرضِ مطلب بھی ہے کیا کوئی مری جاں گالی
رخنے ڈالے نگہِ شوق نے میرے ایسے — بن گئی صاف نقابِ رخِ تاباں جالی
زخمِ دل کیوں نہ تروتازہ ہوں اشکوں سے مرے — پانی دیتے ہیں پئے نزہتِ بستاں مالی
جسم سے روح جو نکلی تو صدا یہ آئی — ہوگیا بلبلِ نالاں سے گلستاں خالی
ہجو مے کرتے تھے کل تو سرِ منبر واعظ — آج سنتے ہیں سرِ محفلِ رنداں ڈھالی

آگ لینے کے بہانے سے چلو اے برترؔ
تم بھی ترکیب کرو موسیٔ عمراں والی

یادِ گیسو میں جو غل آہِ رسا کرتی ہے ۔۔۔ رات بھر عرش کی زنجیر ہلا کرتی ہے
صبح کو میت پروانہ اٹھے گی کیونکر ۔۔۔ رات بھر شمع اسی غم میں جلا کرتی ہے
شمع ہستی کو بجھا دیتی ہے پروانوں کی ۔۔۔ شمع محفل یہی اندھیر کیا کرتی ہے
خواب کے پردے میں لاتے ہیں وہ اکثر تشریف ۔۔۔ آنکھیں سو جاتی ہیں تقدیر جگا کرتی ہے
حسن و الفت کے بھی طرفہ ہیں مگر راز و نیاز ۔۔۔ دل ملے رہتے ہیں جب آنکھ لڑا کرتی ہے
جادۂ عشق میں نقشِ کفِ پا کی صورت ۔۔۔ ہستیٔ عاشق ناشاد مٹا کرتی ہے
کیا مرے پیر مغاں کی ہے کرامت واعظ ۔۔۔ آتشِ تر سے لگی دل کی بجھا کرتی ہے
غفلت ہستیٔ انسان کے ہیں نیرنگ نئے ۔۔۔ عمر بڑھنے کے عوض روز گھٹا کرتی ہے
دعوۂ قتل سر بزمِ نزاکت توبہ ۔۔۔ کہیں ان ہاتھوں سے تلوار کھنچا کرتی ہے

مٹ گیا ناوکِ مژگاں کا تصور برترؔ
پھر بھی ہلکی سی خلش دل میں رہا کرتی ہے

سر بھی دے کر ہے سرِ منتِ قاتل باقی ۔۔۔ مشکل آسان ہوئی پھر بھی ہے مشکل باقی
دل گیا پھر بھی رہی کشمکشِ دل باقی ۔۔۔ شمع گل ہو گئی ہے گرمیٔ محفل باقی
چاک پیراہنِ مجنوں جو ہوا بھی تو کیا ۔۔۔ رہ گیا نامِ خدا پردۂ محمل باقی
یارب اعمال بد و نیک کی میزان ہو ایک ۔۔۔ نہ رہے حشر میں اندیشۂ فاضل باقی
مرحلے زیست کے جتنے تھے ہوئے قطع مگر ۔۔۔ رہ گئی ہے فقط اب قبر کی منزل باقی
بزمِ ہستی کی کشاکش سے چھوٹے بھی تو کیا ۔۔۔ ایک ابھی گورِ غریباں کی ہے محفل باقی

بستہ عشرتِ معشوق ہے عشاق کا درد خندۂ گل سے ہے فریادِ عنا دل باقی
تھا وہ اک سازِ جلو داریٔ لیلائے شباب اب کہاں سینے میں شورِ جرسِ دل باقی
یہ گراں جانوں کی ہمت کا ہے صدقہ یعنی رہ گیا ذکرِ سبک دستیٔ قاتل باقی
بن ہی جائے گا کسی پردہ نشیں کا مسکن ہے اگر سینے میں خلوت کدۂ دل باقی
شور شیں مٹ گئیں سب کشتیٔ امید کیساتھ اب نہ طوفان ہے نہ دریا ہے نہ ساحل باقی
اتنی بے تاب ہیں کیوں بحرِ کرم کی موجیں رہ گئی ہو نہ کوئی کشتیٔ ساحل باقی
اڑ گئی خاک بھی پروانوں کی تا صبح مگر رہ گیا شمع کا گریہ سرِ محفل باقی
تیری یکتائی نے رکھا نہ جواب اپنا مگر ایک آئینہ میں ہے مدِ مقابل باقی
اپنے زخموں کا بہر طور رفو کرلیں گے تیری تلوار کا ڈورا ہے جو قاتل باقی
ہے ابھی جلوہ پنہاں کی وہی جلوہ گری ہے ابھی نامِ خدا آئینۂ دل باقی

ہمتِ اہلِ کرم کی ہے یہ برترؔ افتاد
کوئی ثابت نہیں اب کاسۂ سائل باقی

ہے نیا پہلو غبارِ دل مٹانے کیلئے آئے ہیں تربت پہ میری خاک اڑانے کیلئے
اک ہمیں اے ضعف تھے زور آزمانے کیلئے مر رہے ہیں ہاتھ جینے سے اٹھانے کیلئے
ضعف میں صورت ہو کیا حیرت جتانے کیلئے رنگ بھی اڑتا نہیں نقشہ جمانے کیلئے
برقِ خرمن سوز کو دعوت ہی کیوں دوں باغباں جمع خار و خس کروں کیوں آشیانے کیلئے
ناوکِ دل دوز نے پہلو تہی کی ضعف میں درد بھی اٹھتا نہیں اب تو بٹھانے کیلئے
کون سا شوریدہ سر چکر میں آیا یا خدا آسماں گردش میں ہے کس کے مٹانے کیلئے

کیوں غبار خاطرِ دشمن سمجھتے ہو مجھے ڈھونڈھتے ہو کیا نیا پہلو مٹانے کیلئے
زخم کھانے کی ہوس اور انکے دستِ ناز سے ہم تڑپ جاتے ہیں خود ہی دل بڑھانے کیلئے
اب اسی پر نقش ہیں میرے خطِ تقدیر کے سر پٹکتی تھی جبیں جس آستانے کیلئے
پردۂ غفلت جمالِ حیرت افزا بن گیا یہ نئی صورت دکھائی منھ چھپانے کیلئے
ہوگئے یکرنگ حسن و عشق آخر ہجر میں بڑھ گیا زورِ نقاہت ناز اٹھانے کیلئے
یاں دمِ آخر ہے واں مہندی لگی ہے پاؤں میں خوب حیلہ ہاتھ آیا جی چرانے کیلئے
کس قدر بھوکے محبت کے ہیں ناصح دیکھنا شام ہی سے آئے میری جان کھانے کیلئے
سانس بھی فرقت میں یارب ہچکیاں لینے لگی یاد بن کر رکتی ہے سینے میں آنے کیلئے
گردشِ وحشت سے میری وہ بھی اب چکرا گیا پھر رہا ہے آسماں دامن چھڑانے کیلئے
سوزشِ زخمِ جگر سے چارہ گر آگاہ ہیں لائے آتش گیر بھی پھاہا چڑھانے کیلئے
خفتہ بختوں کے تصور کی ہوا بندھنے تو دو نیند کے جھونکوں میں آؤگے جگانے کیلئے
دیکھئے تو بجلیاں ٹوٹیں یہ کس کی جان پر آپ سے کس نے کہا تھا مسکرانے کیلئے
شعبدہ پردازئ چشمِ حسینان کھل گئی نیند آتی ہے انھیں فتنے جگانے کیلئے

یک زمانے سے الگ رہ کر طریقِ عشق میں
ہم مرے بر تر مزے سارے زمانے کیلئے

کلکِ قدرت میں وہ روانی ہے نقشِ اول ہی نقش ثانی ہے
زورِ سوزِ غمِ نہانی ہے میری نظروں میں آگ پانی ہے

زندگی کیا ہے نقشِ فانی ہے — موت کی عمر جاودانی ہے
موت کا خوف کس لئے یہ تو — حاصلِ عمر و زندگانی ہے
ہم جو کرتے ہیں وصل کی تدبیر — صرف تقدیر آزمانی ہے
صبحِ پیری کے چل گئے جھونکے — گل بس اب شمعِ زندگانی ہے
منھ دکھاتی نہیں ہے جیتے جی — موت محبوبِ زندگانی ہے
کھل گیا رازِ دل خموشی سے — سوزباں ایک بے زبانی ہے
دل میں ہنگامۂ ہجومِ شوق — محشر ستانِ زندگانی ہے
نشۂ زندگی کا ہے یہ خمار — بعدِ مردن بھی سر گرانی ہے
کھارہا ہوں فریبِ عمرِ دگر — مفت مرنے کی دل میں ٹھانی ہے

صرف ارشادِ قدس کی تعمیل
آج برترؔ کی شعر خوانی ہے

کچھ ایسا مجھ کو محو نظارہ بنا گئے — یہ بھی خبر نہیں کہ وہ ٹھیرے ہیں یا گئے
محرومئ نظارہ کی شکلیں دکھا گئے — وہ مثلِ ہوش چلدیئے غش بنکے آگئے
افتادگی پسند جو راہِ وفا میں تھی — انکی گلی میں ہم صفتِ نقشِ پا گئے
جن کے لئے تھی وسعتِ کونین مختصر — کیونکر وہ حوصلے مرے دل میں سما گئے
ہم بزمئ رقیب کی چالیں تو دیکھنا — رستے سے وہ مٹاتے ہوئے نقشِ پا گئے
دیکھو تو اپنے حسن کی آتش فروزیاں — جلوہ دکھاکے تابِ نظر بھی جلا گئے

چاہیں گے ان بتوں کی خدائی کی داد ہم — تقدیر سے جو حشر میں پیشِ خدا گئے
دیکھیں گے سیرِ شعلۂ عارض وہ اب کہاں — اک آئینہ کا گھر تھا اسے بھی جلا گئے
ہستی ہے اپنی نقشِ کفِ پائے رفتگان — مجھ کو بنا کے راہ نما رہنما گئے
بزمِ جہاں میں حال ہمارا نہ کھل سکا — مثلِ خیال آئے مثالِ صدا گئے
منزل رسی کی شوق کا اللہ رے اضطراب — ہم سب سے آگے صورتِ بانگِ درا گئے

برترنے و نغمہ سنجیٔ شعر و سخن کہاں
اس بوستاں سے جو تھے مرے ہمنوا گئے

حسن کے عالم میں جب تک جلوہ آرائی نہ تھی — حیرت افزائے نظر چشمِ تماشائی نہ تھی
وقفِ بے تابی نہ تھی صرفِ شکیبائی نہ تھی — خاطرِ بے مدعا جب تک تمنائی نہ تھی
بے خودی تو نے رکھا محرومِ نظارہ ہمیں — جب تماشہ تھا تو یہ چشمِ تماشائی نہ تھی
دیکھنی تھی بے نیازی حسن والوں کی ہمیں — ورنہ کچھ ایسی تمنائے جبیں سائی نہ تھی
کیا ہماری آبلہ پائی نے رکھی تھی سبیل — ایک بھی سوکھی زبانِ خارِ صحرائی نہ تھی
آئینہ تھا مدعائے حالتِ نا گفتہ بہ — خامشی اپنی حریصِ ذوقِ گویائی نہ تھی
تھا سرِ بے پردگی نا حق خیال و خواب میں — آنکھ میں خلوت نہ تھی یا دل میں تنہائی نہ تھی
کھو دیا آخر دلِ نا عاقبت اندیش نے — لذتِ آغازِ الفت بھی ابھی پائی نہ تھی
مجھکو یہ شکوہ نہ آئے وہ تصور میں کبھی — عذر یہ ان کا حریمِ دل میں تنہائی نہ تھی
حرفِ مطلب ہی پہ ڈالی خاک کیوں اے نامہ بر — میری جانب سے کدورت دل میں گر آئی نہ تھی

مے ٹپکتی کیوں نہ اپنے زخم کے انگور سے چوٹ کیا تیغِ نگاہِ مست کی کھائی نہ تھی

اٹھ کے شورِ حشر نے برترؔ عبث چونکا دیا
نیند آنکھوں میں ابھی اچھی طرح آئی نہ تھی

نظر آغازِ الفت میں اگر انجام بیں ہوگی نگاہِ اولین میری نگاہِ واپسیں ہوگی
ہماری سجدہ ریزی بے اثر ہرگز نہیں ہوگی تری چوکھٹ بھی اک دن آرزو مندِ جبیں ہوگی
غبارِ دل ہویا گردِ کدورت دونوں دشمن ہیں وہ بڑھ کر آسماں ہوگا تو یہ بڑھ کر زمیں ہوگی
یقیں آئیگا نیرنگِ فغاں کا اس گھڑی تم کو زمیں پر جب فلک ہوگا فلک پر جب زمیں ہوگی
جفا سے کیا پشیماں وہ نہ ہونگے بیگماں ہونگے وفا کی قدر کیا ان کو نہیں ہوگی "نہیں" ہوگی
نہ کرنا چار آنکھیں تم دمِ آخر اگر آنا بہت حسرت بھری میری نگاہِ واپسی ہوگی
ہمیں معلوم ہے سب استواری عہد و پیماں کی زباں بھی آپ کی پابندِ دست نازنیں ہوگی
وفا کی داد چاہوں کس طرح یہ شرم آتی ہے کہ مجوبِ وفا ان کی نگاہِ شرمگیں ہوگی
یہی ہے بیقراری تو ہماری لاش اے قاتل نہ ہمدوشِ فلک ہوگی نہ پیوندِ زمیں ہوگی

یونہی کٹ جائیں گے دن برترؔ آزاد مشرب کے
غمِ دنیا اسے ہوگا نہ اس کو فکرِ دیں ہوگی

تنگ ہوں اس طالعِ بیدار سے روز لڑتا ہے نگہِ یار سے
مٹ گئی جب تلخیٔ زہرِ فراق آپ کی شیریں نئی گفتار سے
بھر گئی دل میں کدورت اس قدر خاک برسی چشمِ دریا بار سے

اب نہیں گنجائشِ ذوقِ خلش بھر گیا جی لذتِ آزار سے
سر کٹا دیتا ہے حق گوئی کا پھل بول اٹھا منصور کا سر دار سے
ہوش بن بن کر اجل بھی نزع میں ناز کرتی ہے ترے بیمار سے
شمع کی صورت تھی اپنی زندگی کٹ گئی عمر آنسوؤں کی دھار سے
لاکھ ہو توبہ کی برتر روک تھام یہ ملے گی ٹوٹ کر مے خوار سے

●

دل کشیدہ ہے مجھ سے میں دل سے اب یہ بگڑی بنے گی مشکل سے
اضطرابِ نگاہِ قاتل سے برق لپٹی ہوئی ہے بسمل سے
ہے زمانے میں نامِ مہرِ وفا آپ کے دل سے یا مرے دل سے
صورتِ شمع غم کدہ ہم ہیں بے خبر انبساطِ محفل سے
صورتِ فتنہ غیر بیٹھے ہیں اب قیامت اٹھے گی محفل سے

داغ نقصِ کمال کے اپنے کب رہے گھٹ کے ماہِ کامل سے
بن گیا ضعف حلق کا درباں لب تک آئے گی آہ مشکل سے
بات تو جب ہے اے جنوں نکلے نالۂ قیس رنگِ محمل سے
قطرہ اشک بن گئے چھالے چشمِ تر میں حرارتِ دل سے

آئے کیا قبر میں صدائے نفس کام شورِ جرس کو منزل سے
قدر کیا تجھکو اے واعظ لطفِ تکبیر پوچھ بسمل سے
پھر بھی برتر یہ عرض کرتا ہے
رہیئے آنکھوں میں آیئے دل سے

میرے ہی دم تک نشانِ ناوکِ بیداد ہے سخت جانی گویا جانِ ناوکِ بیداد ہے
پھر کسی لذت کشِ بیداد نے رکھی سبیل پھر لہو سے تر زبانِ ناوکِ بیداد ہے
گمشدہ دل پر نگاہِ ناز کی ہے چوٹ کیوں لا مکاں شاید نشانِ ناوکِ بیداد ہے
میرے ہی دم تک رہا مشقِ ستم کا حوصلہ ابتو قاتل نوحہ خوانِ ناوکِ بیداد ہے
مجھ سے مل کر غیر سے لڑتی ہے کیوں انکی نظر آج شاید امتحانِ ناوکِ بیداد ہے
اے ستم ایجاد داغِ دل چھپاؤں کس طرح کیا یہ زخمِ بے نشانِ ناوکِ بیداد ہے
خود کھنچے آتے ہیں شہرہ سن کے مشتاقِ جفا ایسی دل کش، داستانِ ناوکِ بیداد ہے
میری جانب سے جو آنکھیں بند کرلیں آپ نے یہ بھی اک خوابِ گرانِ ناوکِ بیداد ہے
خود جو کھنچ کھنچ کر چلے آتے ہیں تیرے جانستاں جذبۂ لذت کشانِ ناوکِ بیداد ہے
یوں جو شورِ آفریں سے شورِ محشر ہے عیاں کوئی بسمل نوحہ خوانِ ناوکِ بیداد ہے

ضبطِ غم کا تھا بہت دعویٰ تمھیں برتر مگر
آج کیوں لب پر فغانِ ناوکِ بیداد ہے

رہ گئی حسرتِ اربابِ وفا تھوڑی سی　　ہمت اے بانیٔ بیدادِ جفا تھوڑی سی
آچکی راہ پہ پھر بادِ صبا تھوڑی سی　　لائی پھر نکہت گیسوئے رسا تھوڑی سی
اشک منظورِ نظر، آہ سے تسکینِ جگر　　دل کو مرغوب ہے یہ آب و ہوا تھوڑی سی
دیکھ اے دستِ جنوں پاؤں نہ پھیلا اتنے　　وسعتِ دامنِ محشر کی ہے جا تھوڑی سی
مژدہ اے لذتِ غمہائے فراواں مژدہ　　پھر کشیدہ ہوئی وہ تیغِ ادا تھوڑی سی
خاکساری نے ٹھکانے سے لگادی مٹی　　مل گئی کوچۂ محبوب میں جا تھوڑی سی
نگہِ شوق نے الٹی جو نقابِ عارض　　دولتِ حسن لٹی راہِ خدا تھوڑی سی
میں دکھادوں نگہہ بازِ پسیں کی تاثیر　　کاش فرصت دے اگر میری قضا تھوڑی سی
پیش آئی وہی صبحِ شبِ وصلِ عاشق　　بچ رہی تھی جو شبِ غم کی بلا تھوڑی سی
کہتی ہے مغفرتِ حق یہ گنہگاروں سے　　آئے تم ایسی جگہ لے کے خطا تھوڑی سی
ہم بہت جاگ کے سوئے ہیں ابھی داورِ حشر　　مدتِ روزِ جزا اور بڑھا تھوڑی سی
بولے وہ دیکھ کے بیباکیٔ چشمِ نرگس　　"دے اسے اے مرے اللہ حیا تھوڑی سی"
تاک میں پیرِ فلک گھات میں سفلی دنیا　　ہے فقط کنجِ لحد امن کی جا تھوڑی سی

کون جان سوزِ محبت کا ہے ساتھی برترؔ
ہے مگر شمعِ مزارِ شہدا تھوڑی سی

خیر ہو برترؔ کی اب اس کا پتہ کیونکر ملے
وہ کھلے بالوں ملے اغیار تنگے سر ملے

مست صہبائے محبت کیا کہوں کیونکر ملے
ہچکیاں بندھ بندھ گئیں جب شیشہ و ساغر ملے

ہیں تجلی گاہِ دیر و طور و کعبہ سب مگر
ہم جہاں تقدیر سے پہنچے ہمیں پتھر ملے

کچھ تو پاسِ خاطرِ بسمل رہے قاتل ضرور
تو اگر کھنچ کر ملے، جھک کر ترا خنجر ملے

دل بھی کیا پھوڑا تھا جب چیرا اُسے فصاد نے
سینکڑوں ٹوٹے ہوئے نشتر تہ نشتر ملے

بندرہ سکتے نہیں وابستۂ سرکارِ حسن
خاک میں جب مل گئے شکلِ غبار اڑ کر ملے

مدعی سے تو نگاہِ صلح دشمن مل چکی
آنکھ ہم سے بھی تو محفل میں بتِ کافر ملے

انقباضِ دل نے کب ملنے دیا کھل کر تمہیں
گھر کے اندر یوں ملے جیسے کوئی باہر ملے

کچھ ہوئے خواہانِ جاں کچھ دل اڑا کر لے گئے
حوروش اچھے ملے، اچھے پری پیکر ملے

شست و شوئے گریۂ شرمِ معاصی دیکھنا
جتنے تر دامن ملے، ان سب کے دامن تر ملے

آدمی کی طرح ملتے جیتے جی تو لطف تھا
کیا ملے واعظ اگر حوروں سے تم مر کر ملے

رخصتِ ذوقِ تماشہ اور یہ افسردگی
کیا ہمیں لطفِ سرِ دلچسپئ محشر ملے

اتنے دیوانوں کا مجمع اور اک میدانِ حشر
میرا ذمہ ہے جو ڈھونڈھے خاک چٹکی بھر ملے

کام اپنا تو نہ نکلا اس بتِ عیار سے
آشنا بن کر ملے نا آشنا بن کر ملے

ذکر کرتے جارہے تھے آج کچھ قدسی صفات
ساکنِ بت خانہ ہم کو حضرت برترؔ ملے

اس بزم میں گو شرم سے بولا نہ کریں گے
کیا چپکے نگہ کا بھی اشارا نہ کریں گے

مضمون تری مانگ کا باندھا نہ کریں گے
اس راہ میں ظلمات کی بھٹکا نہ کریں گے

لطف اس میں ہے اک دیدۂ مخمور کا زاہد ہم ترک کبھی ساغرِ صہبانہ کریں گے
نومیدیٔ دیدار یہ مسژدہ ہو مبارک محشر میں سنا ہے کہ وہ پردہ نہ کریں گے
کچھ پھوٹ کے رونے کا مزہ ملتا ہے ان سے تلووں سے جدا آبلۂ پانہ کریں گے
پابند ہیں ہم ضبطِ خموشی کے یہاں تک غل مثلِ سلاسل کبھی برپانہ کریں گے
یک اور غزل پڑھ دے تو اس بحر میں برتر
شاعر تری جھوٹی ہی ثنا کیا نہ کریں گے

جانِ تم پہ فدا صورتِ پروا نہ کریں گے گو خاک میں مل جائیں گے پروانہ کریں گے
پھر دل میں خیالِ رخِ جانا نہ کریں گے پھر منزلِ خورشید پہ کاشانہ کریں گے
آزادی میں بھی انکی ہے پابندیٔ عاشق وہ کھول کے گیسو مجھے دیوانہ کریں گے
دیکھا جو مئے وصل سے مخمور تو بولے کیا آپ بھی کچھ حرکتِ رندانہ کریں گے
افسانے جو تو آج سنا کرتا ہے اے دل کل غیر یہاں تیرا ہی افسانہ کریں گے
کچھ ساتھ تو دے دیگا وہ پامالِ ستم کا ہم دوستیٔ سبزۂ بیگانہ کریں گے
دل جلتا ہے اے جان تو آدیدۂ تر میں تیرے لئے ہم مژہ کا خسخانہ کریں گے
کعبہ سے جو پلٹیں گے تو پھر شوق سے برتر
ہم روز طوافِ درِ میخانہ کریں گے

صدمے اٹھائے رنج سہے نیم جاں چلے محفل میں تیری آئے ہوئے شاداں چلے
اٹھے کبھی یہاں کبھی بیٹھے وہاں چلے سو ناز سے گلی میں ترے ناتواں چلے

خنجر بکف خموشی ہیں کیوں سوچتے ہو کیا منظور امتحاں ہے تو پھر دیر "ہاں" چلے

منھ سے مرے ہٹا کے کفن پوچھتے ہیں وہ روٹھے ہوئے چھپا کے منھ اپنا کہاں چلے

تلواریں تم لگاؤ دعائیں میں تم کو دوں بہتر کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

پہلو میں تم بھی میرے دلِ بے قرار ہو مثلِ خیال آئے ابھی پھر کہاں چلے

کتراتے راہ مونہہ کو چھپائے چرائے آنکھ
اس ڈھنگ سے بتاؤ تو برترؔ کہاں چلے



جور و جفا ہو لاکھ اذیت ہزار دے کوئی کسی کو پر نہ نظر سے اتار دے

ممکن نہیں کہ نالۂ بلبل کا دے جواب غنچوں کو گر نسیم زبانیں ہزار دے

کیوں دخترِ رز کی فکر میں رہتے ہو رات دن نشّہ نہ کوئی رند کسی دن اتار دے

کیا امتحاں ہے عاشقِ ہمت بلند کا گر حکم ہو تو چرخ سے تارے اتار دے

عاشق نہ بن بتوں کا تو برترؔ خدا کو مان
بھاری جو دل ہوا ہے تو پتھر پہ مار دے

رباعیات

اقرارِ وصال سے شرماتے ہیں کج باز ہیں راہ پر نہیں آتے ہیں
ان وعدہ خلافیوں نے مارا برترؔ پتلی کی طرح صاف وہ پھر جاتے ہیں

عزت ہوتی ہے عیب میں سے حاصل خود ہوتے ہیں معترض بھی دل میں قائل
ماہِ دو ہفتہ ہے دلیلِ روشن ہوتا ہے اسی میں نقص جو ہے کامل

دیکھا جب دشت کو چمن یاد آیا پہنچے غربت میں تو وطن یاد آیا
بوسیدہ ہوا لباسِ ہستی برترؔ افسوس کہ اب گور و کفن یاد آیا

ان آنکھوں سے ہائے ہم نے کیا کیا دیکھا جاتی دنیا کا خوب نقشا دیکھا
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا برترؔ یک عالمِ خواب تھا جو دیکھا دیکھا

تیور ہیں مرے نئے نرالے انداز ممکن ہی نہیں کوئی اڑالے انداز
برترؔ ہے موجد و مقلد میں فرق کھل جاتا ہے کوئی گر چرالے انداز

سرکش ہر گام پہ ٹھوکریں کھاتے ہیں چلتے ہیں جو دوڑ کر وہ گر جاتے ہیں
انسان کبھی دو دن کی نہ لے مثلِ دہن مونہہ کی وہی کھاتے ہیں جو منہہ آتے ہیں

کس دن کے لئے تلاشِ سیم و گوہر جب زیست کی امید نہ ہو ہفتہ بھر
دو دن تو گئے مرگ و ولادت کے نکل آخر دنیا ہے پنج روزہ برترؔ

ہر چند نہ شاعر نہ سخنور ہوں میں گو لاکھ برا ہوں پھر بھی برترؔ ہوں میں
ہے کسبِ کمال مجھ سے اک عالم کو شکلِ خورشید سایہ گستر ہوں میں

ہوں سب کو عزیز زندگانی کی طرح خوش وقت ہوں عہدِ نوجوانی کی طرح
میں بھی ہوں وہ جوہرِ لطیف اے برترؔ ہر رنگ میں مل جاتا ہوں پانی کی طرح

پورا کبھی نقشہ نہ کسی کا اترا ہر رنگ میں ناز ہی کا چربا اترا
کیا رنگ نزاکت کا جما ہے برترؔ ابرو جو کھنچے شرم سے چہرہ اترا

دنیا دیکھی اور اک زمانہ دیکھا بلبل گل باغ آشیانہ دیکھا
سب کچھ دیکھا مگر حقیقت یہ ہے تجھ کو ہر رنگ میں یگانہ دیکھا

تکیہ نہ کر کسی پر گر دانا ہے سبزہ بھی چمن میں ہے تو بیگانہ ہے
جب کی ہے خطا تو ہاتھ آئی ہے عطا اس طرح ہم نے خدا کو پہچانا ہے

سمجھا یا ہزار پر نہ مانا دل نے اس عشق کا روگ پھر لگایا دل نے
کم بخت کی ضد تھی یا قیامت برترؔ جب کھو گئے ہم تو چین پایا دل نے

ہم تیری گلی سے کب ستمگر اوٹھے بیٹھے دل کی طرح وہیں گر اوٹھے
اللہ رے ضعفِ ناتوانی برترؔ نقشِ کفِ پا کی طرح مٹ کر اوٹھے

دل میں اک خارِ غم چبھو بیٹھے ہم عیش و راحت کے نام رو بیٹھے ہم
افسوس کہ اس گیا میں آکر برترؔ جو لطف تھا زندگی کا کھو بیٹھے ہم

آئی نہ سمجھ میں شعر خوانی میری حیرت افگن ہے خوش بیانی میری
ہے صورتِ شمع گرم طبع موزوں جلنے کے لئے ہے ہم زبانی میری

سینے کی، جگر کی، دل کی سوزش نہ گئی مژگاں کی خلش نگہ کی کاوش نہ گئی
بیداد میں اس کی لطف ایسا پایا مرکر جینے کی دل سے خواہش نہ گئی

پہلو سے اٹھے وہ جبکہ جانے کے لئے اٹھا وہیں درد بھی منانے کے لئے
دامن پکڑا تو ہنس کے بولے برترؔ شاید ہے تمہاری موت آنے کے لئے

قسمت کی مرے کبھی برائی نہ گئی بگڑی ایسی کہ کچھ بنائی نہ گئی
روٹھے ایسے کہ پھر منائے نہ منے تحریرِ جبیں تھی یہ مٹائی نہ گئی

فرقت میں کریں الٰہی آہیں کیونکر مجبور ہیں ضعف سے کراہیں کیونکر
لب تک آتا نہیں سخن بھی برترؔ اللہ سے اپنی موت چاہیں کیونکر

اب ان کے کرم وہ لطفِ پیہم نہ رہے کب مجھ سے وہ مشکلِ زلفِ برہم نہ رہے
اللہ رے ظلم دیکھنے کو برترؔ آئے بھی وہ کب، کہ جب ہم نہ رہے

در سے ترے کرکے آہ اٹھے بیٹھے بے چین ہوئے کراہ اٹھے بیٹھے
ہر گام پہ ضعف کے سبب اے برترؔ ہم مثلِ غبارِ راہ اٹھے بیٹھے

یارانِ قدیم سے جو منہ کو موڑا تازہ احباب نو سے رشتہ جوڑا
غربت میں ملا لطف وطن کا برترؔ جاؤگے کہاں اب جو بڑودہ چھوڑا

مشکل ہی نہیں ہجر میں تنہا مشکل دشوار ہے آسان بھی ہے کیا مشکل
بیزار قضا ہے وہ مسیحا ناراض مرنا دشوار ہے تو جینا مشکل

راحت نہ غمِ ہجر سے دم بھر پائی گردوں نے نئے روز مصیبت ڈھائی
مرمر کے کٹے زیست کے دن اے برترؔ جب جان گئی تو جان میں جان آئی

ہے سارے زمانے میں رسائی میری اک دھوم سی ہے طبع رسا کی میری
مضموں ہیں گرم و سرد عالم کے رقم ربع مسکون ہے رباعی میری

تاثیرِ فغانِ صبح گاہی دیکھی ارمانِ نظارہ کی تباہی دیکھی
رہ کے آنکھوں میں تم نہیں آتے ہو نظر پتلی میں بھی قسمت کی سیاہی دیکھی

پھر بسنت آئی مرے دل کی مصیبت بھولی ہنس پڑے گل جو صبا نے کوئی ڈالی چھولی
اللہ اللہ عجب رنگ سے آئی ہے بہار دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہے سرسوں پھولی

آئی بسنت شاہدِ گل تر دماغ ہے لالہ کا صحنِ باغ میں جلتا چراغ ہے
چمکا ہوا جو دیکھا رخِ شاہدانِ گل بلبل کا دل خوشی سے عجب باغ باغ ہے

ہے زہرِ غم و الم کا پینا مشکل چاکِ دلِ مضطرب کا سینا مشکل
فرقت بھی عجب بلا ہے جس میں برترؔ مرنا آسان ہے اور جینا مشکل

گردوں کی کاوشوں سے دم آیا ہے ناک میں
رخنے پڑے ہیں سینۂ صد چاک چاک میں
آرام پانا گھر سے نکل کر محال ہے
آنسو نکل کے آنکھ سے ملتے ہیں خاک میں

عاشق سے بھی ہو نفور توبہ توبہ
میں اور کروں قصور توبہ توبہ
اغیار کہاں کے ایسے سچے آئے
توبہ توبہ حضور توبہ توبہ

پہلو سے جو دل کی شکل جاتے دیکھا
حسرت کی طرح دل میں سماتے دیکھا
یہ آمد و شد تھی کیا نظر کی برتر
جاتے دیکھا انھیں نہ آتے دیکھا

مجھ سے ہی عبث کشیدہ برگشتہ نگاہ
جو تم نے سنی ہے وہ غلط ہے افواہ
میں اور شکایتِ جفائے بے حد
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ہے گرمئ بزم تر زبانی میری
صدمایۂ عیش خوش بیانی میری
روشن نہ مجھ سے کیوں ہو جہانِ تاریک
ہے صورتِ شمع زندگانی میری

گریہ سے عیاں صاف ہنسی ہے میری
پیدا غم و رنج سے خوشی ہے میری
کہتی ہے بہا کے اشکِ شمعِ سوزاں
آب و آتش میں زندگی ہے میری

انساں نہ بھرے ہوائے نفسانی میں
ہر شئے نقشِ سرابِ عالمِ فانی میں
عقدہ یہ حباب کا کھلا اے برترؔ
دیدی تھی ہوانے یک گرہ پانی میں

ہر سانس میں خنجر کی روانی ہوگی
اس طرح سے قطع زندگانی ہوگی
خود ہوگا عناصر میں تغیر برترؔ
مٹی تو ہوا ، آگ پانی ہوگی

انجام پہ عاقل کی نظر ہوتی ہے
نیک و بدِ ہستی کی خبر ہوتی ہے
پیری یہ صدا دیتی ہے اٹھو برترؔ
اب شامِ جوانی کی سحر ہوتی ہے

ہے فخرِ علوم تیری امی لقبی
نازاں ہے تیری ذات پہ عالی نسبی
ہیں رکنِ رباعیٔ عناصر برترؔ
مکی ، مدنی ، ہاشمی و مطلبی

اس عیش میں جی سے جو گذر جاتے ہیں
طے مرحلۂ عمر وہ کر جاتے ہیں
بحرِ الفت کا جذر و مد ہے برترؔ
نظروں پہ جو ہم چڑھ کے اتر جاتے ہیں

دشوار ہے ہجرِ شہ میں جینا مجھ کو
ہر ایک گھڑی ہے اب مہینہ مجھ کو
برترؔ اُسے میں سمجھوں گا غسلِ صحت
آئے گا جو موت کا پسینہ مجھ کو

عالم نے جو کچھ دین کی دولت پائی سردارِ دو عالم کی بدولت پائی
قسامِ ازل سے امتِ احمدؐ نے قسمت پائی تو اچھی قسمت پائی

بے تاب جو اہلِ درد ہوجاتے ہیں سیماب و شرر بھی گرد ہوجاتے ہیں
روتے ہیں جو مجبورِ محمدؐ برترؔ شعلے دوزخ کے سرد ہوجاتے ہیں

اشکوں کا غمِ شہ میں جو آیا پانی چھلکا مری آنکھوں سے مصفا پانی
تر دامنی و اشکِ مسلسل توبہ رہتا ہے مدام پاک بہتا پانی

پائی ہے وہ لذتِ شرابِ میکش بد مست ہیں خانماں خرابِ میکش
ہم بادہ کشوں کا پھر بھی پردہ رکھا ہر چند قضا ہوئی حجابِ میکش

سامانِ عزا ہے مرتضیٰؑ کے گھر میں اک حشر بپا ہے مصطفےٰؐ کے گھر میں
برترؔ یہ سیہ پوشئ کعبہ سے کھلا شبیر کا ماتم ہے خدا کے گھر میں

جب چاند محرم کا عیاں ہوتا ہے ہر اہلِ عزا اشکوں سے منہ دھوتا ہے
شبنم نہیں آسمان سے گرتی برترؔ ماتم میں حسین کے فلک روتا ہے

محرم آگیا جوشِ غمِ سبطِ پیمبر ہے   صدائے سینہ کوبی سے نمایاں شورِ محشر ہے
بڑھی ہے گریۂ ماتم سے برتر آبرو کیا کیا   یہ آنکھیں چشمۂ زمزم ہیں یہ دل حوضِ کوثر ہے

یادِ سرور میں ہے اشکوں کی روانی ابتک   ہے وہی جوشِ غمِ تشنہ دہانی اب تک
تشنہ لب قتل ہوئے شاہ شہیداں جس روز   خشک اس دن سے ہے تلوار کا پانی ابتک

ذاتِ شہِ دیں قبلۂ حاجت ہوئی   رحمت لقب و دافعِ آفات ہوئی
سرگرمِ سخن تھے عرش والے سے مدام   معراج ہوئی تو کیا بڑی بات ہوئی

خورشید سے ہے چرخِ کہن کی زینت   فصلِ گُلِ تر سے ہے چمن کی زینت
فیضی و ابوالفضل سے رونق تھی کبھی   اب شادؔ سے ہے بزمِ سخن کی زینت

قصیدہ

در مدح نواب میر محبوب علی خاں
آصف جاہ ششم فرماں روائے دکن

الٰہی آج الجھاوے میں کیسی جانِ مضطر ہے
شکن زلفِ پریشاں کی مری ہر چین بستر ہے

ہجومِ بیقراری اور اس پر شوقِ جاں فرسا
نفس سینے کے اندر ہے کبھی سینے کے باہر ہے

جو اٹھا دردِ دل بن کر تو بیٹھا نقشِ پا بن کر
ابھی تک اضطراب و ضعف کا عالم برابر ہے

غبارِ خاطرِ برہم مٹائے سے نہیں مٹتا
مقدر خاک اوڑانے کیلئے شاید مکدر ہے

ہجومِ نا امیدی آج ٹھنڈی گرمیاں کیسی
کہ آہِ پر شرر بھی ہے لبوں پر آنکھ بھی تر ہے

پسینہ آرہا ہے وقتِ آہِ سرد بھی پیہم
یہ نیرگی تری اے التہابِ قلبِ مضطر ہے

قضا سے کیا گلہ اس کو بھی رحم آتا نہیں مجھ پر
الٰہی سخت جانی کا بھی دل کس درجہ پتھر ہے

چمک پیدا ہوئی ہے داغِ سوزاں میں قیامت کی
سوادِ شامِ ہجراں اب بیاضِ صبحِ محشر ہے

کٹے جاتے ہیں پیہم مرحلے عمرِ گریزاں کے
نفس کی یہ روش ہے یا کوئی رفتارِ خنجر ہے

بنایا مجھ کو بسمل طائرِ رنگِ پریدہ نے
مقرر بازوں میں اس کے کوئی تیر کا پر ہے

ابھی بربادیاں ہیں گردشِ تقدیر کی باقی
کہ مضطر خاک اڑانے کو ہوائے قلبِ مضطر ہے

وفورِ گریہ و بے اختیار و سخت جانی سے
جو اک پہلو میں پانی ہے تو اک پہلو میں پتھر ہے

ضیا چشمِ تصور کی بنی چکر مرے سر کا
خدا کی شان فانوسِ خیالی اب مرا گھر ہے

کسی صورت کسی پہلو جو چین آئے تو کیا آئے
جگر میں داغِ سوزاں درد دل میں آہ لب پر ہے

نویدِ تازہ لیکر کوئی بے کھٹکے چلا آئے
کشادہ صورتِ آغوش میرا حلقۂ در ہے

الہٰی جلد اب تو مژدۂ خوش کوئی سنوا دے
بہت بے چین اک میرے سے میری جانِ مضطر ہے
دعا لب پر ادھر آئی ادھر تاثیر بول اٹھی
گرہ کے سال کا جشنِ مسرت آج ہر گھر ہے
یہ سننا تھا کہ فوراً جان تازہ آ گئی تن میں
تعالیٰ اللہ یہ اعجازِ نویدِ روح پرور ہے
بدل ڈالں رنگِ تشبیب اب یہیں سے ہر قصیدہ کا
مری طبع مسرت خیز میں اک جوشِ برتر ہے

مطلعِ ثانی

ہجومِ لالہ و گل ہے چمن شاداب ہے تر ہے
دمِ نظارہ دامانِ نظر پھولوں کی چادر ہے
چمن میں غلغلہ ہے کس شہ خوبی کی آمد کا
یہ کس کی نذر کو غنچوں کی مٹھی میں نہاں زر ہے
خوشی سے پھٹ پڑے ہیں گل عنادل محو حیرت ہیں
کوئی جامے سے باہر ہے کوئی آپے سے باہر ہے
نسیم صبحگاہی پھرتی ہے اترائی اترائی
شمیم گل سے گلشن کا دماغ ایسا معطر ہے
مسیحا دم صبا ایسی چلی سوسن پکار اٹھی
وہ دیکھو سبزۂ مردہ چمن کی حد سے باہر ہے
بنا ہے ہمسرِ قد صنوبر گیسوئے سنبل
یہ فتنہ بڑھ کے دیکھو اب قیامت کے برابر ہے
مقابل آتشِ گل کے ہے سوزِ آہِ بسمل بھی
نہ یہ اب اس سے کمتر ہے نہ وہ اب اس سے بڑھکر ہے
بہار آئی ہے پھر مہندی لگا کر پاؤں میں اپنے
چمن سے جا سکے اب اس کی طاقت سے یہ باہر ہے
کٹورے غنچہ و گل کے چھلکتے ہیں گلستاں میں
نہیں قطرے ہیں شبنم کے یہ صہبائے مقطر ہے
یہ عالم ہے کہ گل دینے لگی ہے شمع بھی جلکر
اثر نشو و نما کا دیکھنا کیا روح پرور ہے
عروج پر تو سرسبزیٔ عالم ہوا ایسا
کہ پہلے نیلگوں تھا آسماں اب چرخِ اخضر ہے
بنے ہیں قہقہہ دیوار ہنستے ہنستے گل اکثر
قطاریں سرو کی ہیں یا کوئی سدِ سکندر ہے
کہاں کی پیاس اب تو بھوک تک جاتی رہی شبنم
پئے طفلِ نباتاتِ چمن یہ شیرِ مادر ہے

لپٹ جاتی ہیں شاخِ گل سے بیلیں عشقِ پیچاں کی
محبت کا مگر روحِ نباتی میں بھی جوہر ہے

نظر آتا ہے نرگس زار دامن اب گلستاں کا
ہجوم و کثرتِ چشمِ تماشہ طرفہ منظر ہے

گھٹائیں جھوم کر اٹھنے لگیں قبلے کی جانب سے
درِ مے خانہ اب کھلنے کو پھر شکل مقدر ہے

بنی ہے پھر شکستِ توبہ وجہ خندۂ مینا
تبسم ریز محفل میں لبِ رنگین ساغر ہے

ہوا ہے ایک ان دونوں میں اب تو ظاہر و باطن
جو دل میں شیخ کے ہے وہ قدح نوشوں کے لب پر ہے

بہار آئی گھٹا چھائی ہنسے گل بلبلیں چہکیں
معطر نکہت گل سے نسیمِ روح پرور ہے

یہ سامانِ مسرت اور بر تر کنج تنہائی
کدھر ہے دھیان تیرا کس لئے حیران و ششدر ہے

لگا دے باغِ گل ہائے مضامیں مدح میں اسکی
کہ جو مشہورِ عالم فیض گستر بندہ پرور ہے

سنا دے مطلعِ رنگیں کوئی اب مدح حاضر میں
قلم قبضے میں قابو میں زبان یاور مقدر ہے

مطلع ثالث

تری جود و سخا کیا اوج پر اللہ اکبر ہے
زمیں پر ہے گہر ریزی تیری شہرہ فلک پر ہے

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں دل میں ورنہ کہہ دیتا
کہ اپنا آپ ثانی تو ہے اپنا آپ ہمسر ہے

ترا اقبال آئینہ ہے تجھ سے اس کو کیا نسبت
سکندر نام کا تھا تو نصیبے کا سکندر ہے

قدم تیرے نظر آئے جسے قسمت چمک اٹھی
زمیں پر نقشِ پا تیرا جوابِ مہرِ انور ہے

دلِ عالم مسخر کر لیا ہے باتوں باتوں میں
تری اک نکتہ سنجی صد متاعِ ہفت کشور ہے

ہوا باندھی ہے بخشش نے تری ایسی زمانے میں
کہ نام حاتم طائی کا شیرازہ ہوا پر ہے

سزا پاتے ہیں تیرے عہد میں کیسے ہی سرکش ہوں
شہادت کے لئے کافی بریدہ شمع کا سر ہے

آتے میں خود ہی ہاتھ باندھے چور مہندی کے
سیاست کا تری کچھ بند و بست ایسا مقرر ہے

پائے رکھتے ہیں دزدِ نظر آنکھوں کے حلقے میں
حسینوں کو بھی تیرے شحنۂ انصاف کا ڈر ہے

ل ہے بارشِ دستِ جواہر ریز سے تیری
اسی سے آب میں ڈوبا ہوا ہر ایک گوہر ہے

نگاہِ لطف تیری پھر گئی جس سے غضب آیا
پھر اس کم بخت کا سا ہی نقطۂ قسمت کا چکر ہے

رے دل سے مقابل آئینہ ہو منہ ہے کیا اسکا
مجلیٰ وہ مکدر یہ وہ شیشہ ہے یہ پتھر ہے

نہ کیوں شایاں تجھے سلطانیٔ ملکِ معانی ہو
کہ قبضہ اب تیری تیغِ زباں کا ہر زمیں پر ہے

نہیں باہر ترے قبضے سے نظم و نثر کے کشور
زبانِ خامۂ معجز رقم تیغِ دو پیکر ہے

کرم احسان مروت خلق بخشش دلدہی جرأت
رواں باقاعدہ تیرے جلو میں سب یہ لشکر ہے

مسخر کرنے والا ان سے بڑھ کر کون اب ہوگا
زمانے کا زمانہ سب اسی حلقے کے اندر ہے

پہنچ سکتا نہیں پیکِ نظر بھی گرد کو اس کی
سواری کی تری کچھ تیز رو اس درجہ موثر ہے

ابھی تو ذہن میں آئی تھی چال اس کی ابھی غائب
چمک برقِ نظر کی اس کے ہر پرزے میں مضمر ہے

طریقے سیکھ لے تجھ سے کوئی کشور ستانی کے
جہاں قبضے میں لیں ہے جہاں قبضے میں خنجر ہے

دمِ قہر و غضب بھی ہے خیالِ چارہ فرمائی
عدو کے حلق میں آبِ بقا زہر آبِ خنجر ہے

کیا ہے کیا تری تلوار نے سرکش کا سر نیچا
مخالف نذر کو حاضر ہتیلی پر لئے سر ہے

ترے اسپِ سبک رفتار کو تشبیہ دوں کس سے
چھلاوہ ہے نہ بجلی ہے نہ شعلہ ہے نہ صرصر ہے

جو نکلا پتلیوں کو جھاڑ کر نظروں سے غائب تھا
نشانِ گردِ سم شکلِ غبار آنکھوں کے اندر ہے

ترے پیلِ دماں کی کوئی دیکھے چال مستانہ
قیامت بھی تو پامالِ روش سر بسر قدم بھر ہے

عماری میں ہوئی جس وقت تیری جلوہ فرمائی گماں سب کو ہوا برجِ شرف میں شاہِ خاور ہے
گراں طولِ سخن ہونے نہ پائے طبع اقدس پر دعا جلدی سے ملنگے یہ خیالِ مدح گستر ہے
خاکساری سے ہے جب تک عشق کی شہرت دماغِ حسن فرطِ ناز سے جبتک فلک پر ہے
حسینوں میں ستم کی خو رہے جس وقت تک باقی دلِ عشاق جبتک یا الہٰی درد کا گھر ہے
سرِ عالم پہ یہ ظلِ خدا ہو رہتی دنیا تک یوں ہی یاور رہے اقبال اب جس طرح یاور ہے
عروسِ سلطنت کی ہمکناری شاہ کی رکھے یوں ہی تا حشر ہو پہلو میں اب جس طرح در بر ہے
رہیں لختِ جگر ممدوح کے سب شادماں یارب جہاں ان سے یوں ہی روشن ہو اب جیسے منور ہے

بس اتنی عرضِ برتر ہے خیال اس کا رہے دلمیں
کہ اب ممدوح تجھ سا ہے نہ مجھ سا مدحِ گستر ہے

قصیدہ در مدح نواب میر عثمان علی خاں آصفجاہ ہفتم

فرماں روائے مملکتِ آصفیہ حیدر آباد دکن

سبع سیارہ

المعروف بہ

برکاتِ عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پھولا جو گلِ عقدہ کشائے سحرِ عید   خشبو سے بسی آب و ہوائے سحرِ عید
دل کش نہ ہوں کیوں نشو نمائے سحرِ عید   وہ نور کا تڑکا وہ فضائے سحرِ عید

ہر سمت کھلا تختۂ جنت نظر آیا
آنکھیں جو کھلیں جلوۂ قدرت نظر آیا

مرغانِ سحر حمد میں تھے زمزمہ پرداز   گلہائے چمن شوق میں تھے گوش بر آواز
سوسن کی خموشی میں تھے تسبیح کے انداز   غنچے جو کھلے نغمۂ وحدت کے بجے ساز

غُل نعرۂ تکبیر کا تھا ارض و سما میں
مصروف تھے سب بندگیٔ ربِ علا میں

صف بستہ اقامت تھے جمائے ہوئے اشجار   خم بہرِ رکوع ان کی تھی ہر شاخ ثمر دار
سجدے کو گرے پڑتے تھے پختہ تھے جو اثمار   لب پر تھی شگوفوں کے تشہد کی یہ تکرار

کثرت میں بھی جلوہ تری وحدت کا وہی ہے
ہر رنگ میں نقشہ تری صورت کا وہی ہے

کیا نامِ خدا فرحتِ عیدِ رمضان ہے   رشکِ چمن خلدِ گلستانِ جہاں ہے
چھایا ہوا ہر شے پہ مسرت کا سماں ہے   ہر سو افقِ صبح کی تنویر عیاں ہے

کیا شمع ضیاء بار ہے تڑکا نورِ سحر کی
چادر سی تنی چرخ پہ ہے نورِ سحر کی

دل سب کے شگفتہ ہیں تو مسرور نگاہیں
تابندہ جو چہرے ہیں تو پر نور نگاہ ہیں
نظارۂ عشرت سے ہیں معمور نگاہیں
دانست میں اپنی ہیں بہت دور نگاہ ہیں

ہے ان کے لیے ایک قریب اور بعید آج
وارفتگیٔ دید نہیں حائلِ دید آج

جھگڑا نہیں اب حدِ نظر کا کوئی زنہار
جاتی ہیں چلی دم سیر یہ افلاک کے اس پار
فاش ان پہ ہیں اجرامِ فلک کے جو ہیں اسرار
پوشیدہ نہیں ان سے ثوابت ہوں کہ سیار

صرصر جسے کہتے ہیں ہوادار ہے ان کی
سرعت میں فزوں برق سے رفتار ہے ان کی

ہے پیشِ نظر ان کے نئی موجِ طرب آج
ہیں کیف مئے عیش میں ڈوبے ہوئے سب آج
میخانۂ دنیا کا ہے رنگ کچھ عجب آج
غل ہے کہ پری بن کے اڑی بنتِ عنب آج

پیاسے یہ صدا دیتے ہیں ماہ رمضان کے
اب پھول کا لطف آئے گا کانٹوں میں زباں کے

ساقی ترے صدقے وہ مئے روح فزا دے
دل سے جو غبارِ غم و اندوہ مٹا دے
نشہ کا اثر کیفِ محبت کا مزا دے
کچھ تھوڑی سی جھوٹی لبِ میگوں کی پلا دے

فرحت ہو مری روح کو ٹھنڈک ہو جگر میں
ہو کیفیتِ آبِ بقا آتشِ تر میں

بڑھ جائے مرے بحرِ طبیعت کی روانی
ہو جائے ہر ایک سخت زمیں شعر کی پانی
غواصِ خرد لائے گہر ہائے معانی
ہر لفظ میں ہو جلوۂ حسنِ ہمہ دانی

تنویرِ سخن نظم سے یوں جلوہ نما ہو
جو شعر ہو وہ نور کے سانچے میں ڈھلا ہو

کیفِ مئے مدحت مجھے سرشار بنادے وارفتگیٔ نظم خبردار بنا دے
گلریزِ زباں کو دمِ گفتار بنادے ہے طبعِ فسردہ اسے گلزار بنادے
رنگین وہ نقشے ہوں مری فکرِ رسا کے
گلدستے ہیں قرطاس پہ گلہائے ثنا کے

تازہ ہوں مضامین نیا رنگِ سخن ہو جدت ہو کچھ ایسی خجل اندازِ کہن ہو
شستہ ہو زباں سکۂ رائج کا چلن ہو آورد نہ ہو شعر میں بے ساختہ پن ہو
بندش ہو نئے رنگ کی تحریر نئی ہو
آئینۂ الفاظ میں تصویر نئی ہو

ہے مدح طرازی کی تمنا مرے دل میں مواجِ عقیدت کا ہے دریا مرے دل میں
کیا عرض کروں اب کہ ہے کیا کیا مرے دل میں ہے ذوقِ ثنائے شہ والا مرے دل میں
تقدیر بھی کچھ ساتھ دے تدبیر بھی چل جائے
اللہ کرے آج یہ ارمان نکل جائے

مشکل ہے مگر مرحلۂ مدح نگاری جادہ ہے یہ دشوار تو منزل ہے یہ بھاری
ذہن اس سے ہے قاصر تو زباں اس سے ہے عاری کرتی نہیں مطلق خرد و فہم بھی یاری
ممکن نہیں حق مدحتِ شاہی کا ادا ہو
ہاں پھر نہیں دشوار جو تائیدِ خدا ہو

وہ شاہ جسے ظلِ خدا کہتی ہے دنیا وہ شاہ جسے عقدہ کشا کہتی ہے دنیا
وہ شاہ جسے بحرِ سخا کہتی ہے دنیا وہ شاہ جسے ابرِ عطا کہتی ہے دنیا
مشہور زمانے میں جو ہے آصفِ سابع
یہ ساتوں فلک جس کے اشارے کے ہیں تابع

وہ خسروِ اقلیم دکن رشکِ سلیماں وہ زیب دہِ تاج و نگیں آصفِ دوران
انجم سپہ و چرخ خیم مالک گیہاں خورشید علم حضرتِ عثمان علی خاں
کیا نام خدا جلوہ انوارہ شہی ہے
سورج کی کرن طرہ دستار شہی ہے

شاہی میں یہی رنگ ہے عقبیٰ طلبی کا پیرو ہے دل و جان سے یہ احکام نبی کا
عاشق ہے دل و جان سے رسولِ عربی کا زیبا ہے اسے تاج خلافت لقبی کا
ذات اس کی اولی الامر صفت عین عطا ہے
بندوں کا خداوند مجازی بخدا ہے

خورشید صفت فیض و کرم عام ہے اس کا راحت دہِ مخلوق ہر یک کام ہے اس کا
ہر دل کے نگینے پہ کھدا نام ہے اس کا مشہور لقب حامیٔ اسلام ہے اس کا
واللہ کسی شاہ میں یہ بات نہیں ہے
ایسا تو کوئی قبلۂ حاجات نہیں ہے

یوں تیرگیٔ بختِ زمانہ کو مٹایا جو رات کہ تاریک تھی دن اس کو بنایا
بجلی کے چراغوں سے یہ نیرنگ دیکھایا ہر سمت شبِ قدر کا جلوہ نظر آیا
اب ایک ہے نزدیک ہو یا دور کا عالم
ہر گام پہ ہے شمعِ سرِ طور کا عالم

کافور ہے اب تیرگیٔ شام کا نقشہ صاف آئینہ ہے سقف در و بام کا نقشہ
بگڑا ہے جو وزدان سیہ فام کا نقشہ ہے پیشِ نظر خلق کے آرام کا نقشہ

نیند آنکھوں میں پہلوئے سکون قلب و جگر میں
پھیلائے ہوئے پانوں کو سب سوتے ہیں گھر میں

اللہ رے بحرِ کرم شہ کی روانی　　جاری وہ کیا محکمۂ آب رسانی
تالاب میں نہروں میں ہوئی غرق گرانی　　اڑتی تھی جہاں خاک وہاں بہتا ہے پانی
ہر گام پہ جان بخش دہانے ہیں نلوں کے
ہیں چشمۂ حیواں کہ خزانے ہیں نلوں کے

آرائش بلدہ کی طرف دھیان جو آیا　　ہر ایک گلی کوچے کو آئینہ بنایا
تعمیرِ عمارات کا نقشہ وہ جمایا　　کم ہوگیا قصرِ کہن چرخ کا پایا
کیا نام خدا اوج پر اونچائی ہے ان کی
یہ سطح فلک چھوٹی سی انگنائی ہے ان کی

وسعت ہوئی سڑکوں میں تو رستے ہوئے ہموار　　ہر سمت قرینے سے بسائے گئے بازار
دل جن کا ہو گاہک وہ دو کانیں ہوئیں تیار　　وہ بھیڑ خریداروں کی وہ جنسوں کے انبار
کہتا ہے یہ حسن و در و دیوار کا نقشہ
ایسا ہی تھا کیا مصر کے بازار کا نقشہ

تعلیم کی جانب جو توجہ ہوئی پیدا　　قائم پئے تدریس ہوئے مدرسے ہر جا
آنکھوں سے اٹھا تیرگئ جہل کا پردا　　ہر سمت ہوا علم کے جلوے کا اجالا
ہر ذرہ ہوا مہر درخشاں کے برابر
ہر قطرہ ہوا گوہرِ غلطاں کے برابر

شیرازہ ہوا جہل مرکب کا جو برہم　　اڑنے لگے ذوق عمل و علم کے پرچم
اسبابِ ترقی وہ کئے شہہ نے فراہم　　بلدے میں ہوئی جامعہ عثمانیہ محکم
فیضِ شہہِ ذی جاہ سے آباد ہے بلدہ
اب نامِ خدا غیرتِ بغداد ہے بلدہ

ہر علم کے ہر فن کے اب استاد یہاں ہیں — جانچے ہوئے پرکھے ہوئے نقاد یہاں ہیں
صناعِ جہاں صاحبِ ایجاد یہاں ہیں — اربابِ ہنر فکر سے آزاد یہاں ہیں
ابرِ کرم شاہ کی سایہ فگنی ہے
کیا نام کی نسبت ہے کہ ہر ایک غنی ہے

ہے قبضۂ قدرت میں جو اقلیم معانی — دنیا پہ کھلی شاہ کی اعجاز بیانی
روشن جو ہوئی طبع مصفا کی روانی — آب آب ہوا چشمۂ خورشید کا پانی
اب بحرِ سخن اوج میں دریائے فلک ہے
ہر شعر میں کشتیٔ ہلالی کی چمک ہے

روشن ہیں خیالات تو مضمون درخشاں — مواجِ طبیعت سے زباں ہے گہر افشاں
اشعار میں وہ رنگ ہے جدت کا نمایاں — سن کر جسے انگشت بد نداں ہیں سخندان
شاہانہ تکلم کا ہر انداز ہے اعجاز
کہتا ہے کلام آپ ہی اعجاز ہے اعجاز

فکرِ شہ والا کی رسائی کوئی دیکھے — تحریر کی اعجاز نمائی کوئی دیکھے
آئینۂ بندش کی صفائی کوئی دیکھے — تصویرِ سخن خود اتر آئی کوئی دیکھے
ہے جلوہ نما طبع خداداد کا نقشہ
جمتا نہیں اب مانی و بہزاد کا نقشہ

سر معرکۂ نظم کیا تیغِ زباں سے — حاصل کیا تحسیں کا خراج ایک جہاں سے
قالب میں سخن کے مددِ طبع رواں سے — یک روح نئی پھونک دی اعجازِ بیاں سے

یہ دعوئ کلکِ و زباں وقتِ رقم ہے
اب قبضۂ قدرت میں مرے ہند و عجم ہے

نامی و گرامی ہیں جو فارس کے سخنور سن سن کے کلامِ شہِ والا کو ہیں ششدر
قسمت سے حضوری جنھیں ہوتی ہے میسر زانوائے ادب کرتے ہیں طے سر کو جھکا کر
بول اٹھتے ہیں بلدہ تو ہے شیراز سے بڑھ کر
یہ سحرِ ہلال آج ہے اعجاز سے بڑھ کر

سعدی و نظامی ہوں کہ ہوں جامیٔ مغفور فردوسی و طوسی ہوں کہ ہوں حافظ و مبرور
دنیائے سخن میں یہی استاد تھے مشہور ہر بزمِ ادب ان کی تجلی سے تھی پر نور
یہ مہر پر انوار تھے افلاکِ سخن کے
چمکاتے تھے ذروں کو یہی خاکِ سخن کے

لیکن وہ گیا دور نیا اب ہے زمانہ پارینہ وہ قصہ ہے پرانا ہے فسانہ
لب پر یہی تصویرِ سخن کے ہے ترانہ اب بزمِ ادب بن گئی ہے آئینہ خانہ
اعجاز نما شاہ کا فیضانِ سخن ہے
ہر نظم کے پیکر میں نئی جانِ سخن ہے

ہر علم میں ہر فن میں ہیں یکتا مرا ممدوح گوہر خرد و فہم ہیں دریا مرا ممدوح
ہے جوہرِ قابل کا شناسا مرا ممدوح کیونکر نہ ہو پھر آنکھ کا تارا مرا ممدوح
اس کی نگہِ فیض ہے اکسیر سے بڑھ کر
ہے اس کی عطا حصۂ تقدیر سے بڑھ کر

ہے مدِ نظر دل سے جو اسلام کی شوکت شان اس کی بڑھا نیکو نکالی نئی صورت
واجب تھی جو معبودِ حقیقی کی عبادت فرمائی دوگانہ کے ادا کرنے کی نیت

مسجد کو چلی یوں شہ ذی شاں کی سواری
یاد آگئی پریوں کو سلیماں کی سواری

وہ موٹریں صرصر سے فزوں جنکی تگ و دو رفتار میں جو تختِ سلیماں سے سبک رو
تھا تخت وہاں ایک یہاں موٹریں دو سو کہتے ہیں جسے برق وہ یک ان کا ہے پرتو
گرد اڑ کے جو رہ جاتی ہے پیچھے یہ سبب ہے
ساتھ ان کے چلے بادِ صبا تاب یہ کب ہے

مخلوق جو تھی منتظر اللہ کے گھر میں پیدا صفت برق تھی ہر ایک نظر میں
پابوسئ سلطان کی ہوائیں تھیں جو سر میں ہر ایک کی آنکھیں تھیں بچھی راہ گذر میں
تھا سب کی زبانوں پر اب آئے کہ اب آئے
بولے نقباوہ شہہ عالی نسب آئے

یک شور اٹھا آگئے سرکار ہمارے ملجائے جہاں مالک و مختار ہمارے
نازاں نہ ہوں کیوں طالع بیدار ہمارے حل ہو گئے سب عقدہ دشوار ہمارے
ہر ایک کو لطف آج عبادت کا ملے گا
سجدے کا مزہ ذوقِ اقامت کا ملے گا

پہونچی جو خدا خانے میں حضرت کی سواری آغوش کو پھیلائے بڑھی رحمتِ باری
تکبیر مکبر کے جو لب پر ہوئی جاری ہر ایک پہ یک وجد کا عالم ہوا طاری
شانوں کو ملائے جو کھڑے پیر و جواں تھے
کیا شان مساوات کے انداز عیاں تھے

باہم بصد آداب صفوں کو وہ جمانا　　طاعت کو خداوندِ مجازی کا وہ آنا
سجدے کے لئے سر کو بصد شوق جھکانا　　معبودِ حقیقی کی عقیدت کا جتانا
رفعت میں نہ کیوں رشکِ فلک آج زمیں ہو
جب زیبِ مصلیٰ شہہ والا کی جبیں ہو

فارغ جو دوگانے سے ہوئے خسرو والا　　ہاتف نے کہا سلمہٗ اللہ تعالیٰ
عالم میں وہ ہو جلوۂ عثمان کا اجالا　　آئینہ تصویر بنے دیکھنے والا
سب مانگیں دعا دل سے کہ ہنگامِ دعا ہے
ہاں بابِ قبول آج بہت دیر سے وا ہے

آئی یہ صدا رونقِ اسلام ہے جبتک　　پر شور اذاں سے سحر و شام ہے جبتک
فیضِ مہ و خورشیدِ فلک عام ہے جبتک　　گرمِ تگ ودو ابلقِ ایام ہے جبتک
جبتک طرب افزائے نظر صبحِ وطن ہو
رونق دہِ اورنگ شہنشہی شاہِ دکن ہو

رنگیں گلِ نورس سے گلستان رہے جبتک　　گردوں زرِ انجم سے فروزان رہے جبتک
ہم دوشِ صبا ریگِ بیابان رہے جبتک　　ہر ذرۂ ناچیز درخشاں رہے جبتک
جبتک دمِ تقریر روانی ہو زباں میں
سکہ ہو رواں آصفِ سلطاں کا جہاں میں

عشاق کا دل وقفِ محبت رہے جبتک　　دل میں خلشِ درد کی لذت رہے جبتک
معشوقوں میں بیداد کی عادت رہے جبتک　　دورانِ رہِ رسم مروت رہے جبتک

قبضے میں مرے شہ کے زماں اور زمیں ہو
خم اس درِ دولت پہ زمانے کی جبیں ہو

پورے مرے ممدوح کے مقصود ہوں یارب — ہوں حسب طلب اور بہت زود ہوں یارب
جتنے ہیں بد اندیش وہ مردود ہوں یارب — حاسد جو ہیں کم بخت وہ نابود ہوں یارب

جلدی یہ نویدِ خوش و مقصود بر آئے
قبضے میں مرے شہ کے پھر ملکِ برار آئے

شادابِ چمن زار حکومت کے شجر ہوں — خنداں چمنستانِ شہی کے گلِ تر ہوا
ہر لحظہ ضیا بخشِ نظر نورِ نظر ہوں — راحت دہِ جاں ہوں تو یہ تسکینِ جگر ہوں

پیدا نئے پہلو ہیں دعا میں بھی دعا کے
سائے میں یہ سب پھولیں پھلیں ظلِ خدا کے

اے کاش بنے عقدہ کشا قسمت برتر — منظور شہی ہو روشِ مدحتِ برتر
ممدوح کی نظروں میں جچے خدمتِ برتر — سینے سے نکل کر یہ کہے حسرتِ برتر

اعزاز ثنا خوانیٔ سلطان ہو مبارک
یہ مرتبہ یہ اوجِ فراوان ہو مبارک

منظرِ عید

ہلالِ عید پھر زیرِ جبینِ چرخِ گرداں ہے
لگی ہیں سب کی آنکھیں صحنِ گردوں نرگستاں ہے
شگفتہ صورتِ گل آج خندہ ہر مسلماں ہے
کوئی محوِ مبارک باد کوئی تہنیت خواں ہے
ہوا غل روزہ داروں میں گلے ملنے کو عید آئی
لئے ہمراہ اپنے بابِ جنت کی کلید آئی

دو چنداں لطفِ عشرت ہے کہ دوہری عید آئی ہے
لگا کر ساتھ اپنے موسمِ گل کو بھی آئی ہے
نئے سامان ہیں صرفِ زیب و زینت کل خدائی ہے
کوئی محوِ نظارہ کوئی گرمِ دل ربائی ہے
کہیں ناز و نیازِ حسن و الفت کے اشارے ہیں
خموشی سے کہیں چشمِ سخن گو کے اشارے ہیں

کسی کو زلف میں حلقے بنانے کی تمنا ہے
کوئی دلدادۂ تصویرِ خالِ روئے زیبا ہے
کوئی آئینہ رکھ کر سامنے بنتا سنورتا ہے
دھڑی مسی کی جمتی ہے کہیں پانوں کا لاکھا ہے

فسون سازی سکھائی جاتی ہے ترچھی نگاہوں کو
غرض یہ ہے ملے گی داد اچھی داد خواہوں کو

ادا سرمے کے دنبالے کی وہ چشمِ فسوں گر میں
چمک افشاں کے ذروں کی وہ پیشانیٔ انور میں
بہارِ جانفزا ذروں کے وہ زلفِ معنبر میں
شرارت شوخیوں کی وہ نگاہِ ناز پرور میں
وہ کھنچنا ابروں کا اور تیور کا بدل جانا
جھجکنا عکس سے اپنے جھجک کر پھر سنبھل جانا

کٹی شب ان مشاغل میں بتانِ ماہ پیکر کی
صدا کانوں میں آئی ناگہاں اللہ اکبر کی
اجالا ہوگیا تقدیر چمکی چرخِ اخضر کی
سواری دھوم سے نکلی فلک پر شاہ خاور کی
ترنم سنجیاں کی طائروں نے حمد باری میں
نویدِ عیش ہے عید آئی ہے فصلِ بہاری میں

گھٹائیں جھوم کر اٹھیں مرادِ بادہ خوار آئی
سرِ میکدہ پڑتی ہوئی ہلکی پھوار آئی
لگی دل کی بجھانے رحمتِ پروردگار آئی
ہوا غل بادہ نوشوں میں بہار آئی بہار آئی

جنابِ شیخ بھی تھے عید کے امیدواروں میں
تبرک ہوگئے توبہ کے ٹکڑے بادہ خواروں میں

وہ تڑکا نور کا وہ عید کی صبحِ طرب افزا
وہ شورِ خندۂ گل مسکرا دینا وہ غنچوں کا
وہ شبنم کا تقاطر و نسیمِ صبح کا چلنا
وہ سبزے کی لہک منظر کا وہ دل چسپ نظارہ

ہوئیں محوِ نظارہ طالبِ دیدار کی آنکھیں
کھلیں پھر رفتہ رفتہ نرگسِ بیمار کی آنکھیں

عیاں روحِ نباتی میں ہے تاثیرِ نمو کیا کیا
مسرت بخش خاطر ہے بہارِ رنگ و بو کیا کیا
نکل آئے شگوفے بن کے نخلِ آرزو کیا کیا
سنائے قمریوں نے نعرۂ حق سرِ ہو کیا کیا

اُدھر صحن چمن میں آتشِ گل کا دھواں اٹھا
اِدھر ہر رند بہرِ بیعتِ پیرِ مغاں اٹھا

ہوا ساقی نے باندھی کھل گئی زنجیرِ مے خانہ
بنی آئینہ عیش و طرب تصویرِ مے خانہ
مزین خونِ توبہ سے ہوئی تحریرِ مے خانہ
ہوا غل دخترِ رز کھینچ کر بنی شمشیرِ مے خانہ

چلے پھر شعبدے ساقی کے سحرِ سامری بن کر
شراب اڑنے لگی محفل میں شیشے کی پری بنکر

وہ عالم میکدے میں کشتیٔ مے کی روانی کا
وہ لہریں جام میں لینا شرابِ ارغوانی کا
اثر زائل کیا ساقی نے یوں سوزِ نہانی کا
بجھادی آتشِ سیال چھینٹا دے کے پانی کا

زباں جبتک کے کلنٹے نکالے آتش ترسے
مٹائی گردشِ تقدیر دورِ جام و ساغر سے

مسرت عید کی ہے رنگ بدلا ہے زمانے کا
نکلنے کو ہے اب ارمان گلے ملنے ملانے کا
جہاں میں شور ہے اللہ اکبر کے ترانے کا
ہر اک دلدادہ ہے ذوقِ عبادت میں زمانے کا

کوئی محوِ مبارک باد کوئی تہنیت خواں ہے
غرض ہر ایک اپنی اپنی دھن میں مست وشاداں ہے

بسترِ مرگ

آہ اے موت عزیزوں سے چھڑانے والی
سیرِ شہرِ عدم آباد دکھانے والی
بسترِ مرگ پہ ناچار سلانے والی
جسم کو خاک کا پیوند بنانے والی
جو بھرے گھر تھے انھیں کر دیا ویران تو نے
خوب آباد کیا شہرِ خموشاں تو نے

تیری آنکھوں میں مروت ہے نہ دل میں کچھ پاس
جان لینے میں نہیں ہے تجھے کچھ بیم و ہراس
توڑ دیتی ہے تو دم توڑنے والے کی آس
ایک ہے تیرے لئے دور ہو منزل یا پاس
تیز رفتار ہے تو پیکِ نظر کی صورت
اڑ کے دم بھر میں پہنچتی ہے خبر کی صورت

نام سے تیرے لرزتے ہیں دل و جاں کیا کیا
تیرے ہاتھوں سے ہے مخلوق پریشاں کیا کیا
گل کیے تو نے چراغِ تہہ داماں کیا کیا
بھاگتی تجھ سے ہے یہ عمرِ گریزاں کیا کیا
روح دہشت سے تری ایسی فنا ہوتی ہے
سانس آنے نہیں پاتی کہ ہوا ہوتی ہے

دیکھ تو حالِ مریض اب سرِ بستر کیا ہے
یہ ترا ظلم نہیں ہے تو ستمگر کیا ہے
شیون و زاریٔ فرزند و برادر کیا ہے
ایک ہنگامۂ محشر ہے بھرا گھر کیا ہے
کیا بھیانک ہے عدم کے سفری کی صورت
زرد چہرہ ہے چراغِ سحری کی صورت

تیری آہٹ جو ملی ہے تو ڈرا جاتا ہے
وقت سے پہلے ہی کم بخت موا جاتا ہے
جاتے جاتے جو عزیزوں کو رلا جاتا ہے
ہائے کیا یاس کی تصویر بنا جاتا ہے

پتلیاں پھرنے لگیں سینے میں دم رکتا ہے
قصۂ زیست بس اب دم میں کوئی چکتا ہے

ولولہ دل میں نہ اب سر میں ہے سودا باقی　　فکرِ عقبیٰ ہے نہ کچھ ہے سرِ دنیا باقی
آج کا غم ہے نہ اندیشۂ فردا باقی　　ہاں مگر اب ہے ترے نام کو رونا باقی

کچھ خبر اپنی نہ اوروں کی ہے پروا اس کو
صاف تاریک نظر آتی ہے دنیا اس کو

وقت وہ ہے نہیں کرتا ہے رفاقت کوئی　　ساتھ دیتا ہے نہ کرتا ہے مروت کوئی
دل کے ہمراہ نہ ارماں ہے نہ حسرت کوئی　　نظر آتا نہیں اپنا دمِ رحلت کوئی

سب گئے ہیں خبرِ ملکِ عدم لینے کو
ہچکیاں لوٹ کے آتی ہیں تو دم لینے کو

جو نفس ہے نفسِ بازپسیں ہے اب تو　　سانس کیا لے کہ دم اتنا بھی نہیں ہے اب تو
کر چکی کام اجل اپنا یقیں ہے اب تو　　اپنے ہی گھر میں مسافر یہ مکیں ہے اب تو

حشر تک اب یونہی آرام سے سونا ہوگا
قصر و ایوان کے عوض قبر کا کونا ہوگا

پیش چلتی نہیں اے مرگ ستم گر تجھ سے　　زیر دنیا میں ہوئے سرکش و خودسر تجھ سے
جان کو اپنی بچائے کوئی کیونکر تجھ سے　　زندگانی کا ہے وابستہ مقدر تجھ سے

ایک برتر نہیں مخلوق کی سیری ہوگی
روح جب قبض ترے ہاتھ سے تیری ہوگی

خمسہ بر غزل

حکیم مومن خاں صاحب مومن دہلوی

کس دن جہاں میں شورشِ آہ و فغاں نہیں
کب شام شکل صبح قیامت عیاں نہیں
وہ کون سی جگہ ہے کہ طوفاں جہاں نہیں
آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

رہتا نہیں نہاں کبھی یہ عشق کی ہے خو
رسوائے دہر کرتی ہے کم بخت آرزو
یارب برا ہو شوق کا غیروں کے روبرو
کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائق شرح و بیاں نہیں

جور و ستم سے اب تو کلیجہ ہے پک گیا
شیشے کی طرح بیٹھا ہوں مدت سے میں بھرا
بس اب خطا معاف نہ کرنا مرا گلا
پیشِ عد و سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

میرا ملال ہو نہیں سکتا ملالِ غیر
بالکل غلط ہے تم مجھے سمجھو مثالِ غیر
قدرت خدا کی مجھ سے چھپاتے ہو حالِ غیر
اس کو بھی جانتا ہوں فریبِ وصالِ غیر
تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں

لب بند مدعا ہے نہ وا چشم انتظار
غم رشکِ غیر کا ہے نہ شادئ لطفِ یار
اس بے ثباتِ دہر سے دل کو ہو اقرار
لتے سبک نظر میں ہیں اوضاعِ روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

مانا کہ سدِ راہ نقاہت ہے سر بسر
اٹھتی نہیں ہے ضعف تپ ہجر سے نظر
پائے طلب بھی ٹوٹ گئے ہیں کوئی مگر
نومیدی جواب ہے کیوں لتے شوق پھر

یہ کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں

اس اضطرابِ درد سے حاصل نہ کچھ حصول رہتا ہے شامِ غم میں بلاؤں کا یک نزول
وہ آئیں یا اجل کہیں ہو یہ دعا قبول بیصرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائیگاں نہیں

غم کھاتے ہم خوشی سے مقرر تمام عمر سہتے جفا و جورِ ستم گر تمام عمر
اٹھتا نہ سنگ در سے کبھی سر تمام عمر کرتے دفا امیدِ وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں

جھگڑا قضا سے مفت میں کیوں مول لے لیا ٹھوکر سے ہے عیاں قمِ عیسیٰ کی کیوں صدا
شاید جفا کا کچھ ابھی باقی ہے حوصلہ میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

برپا ہے شور و غل یہی ہر سو بجو بجو گردوں سے آرہی ہیں صدائیں ہُو ہُو
ہاں کس طرح سے آج ہی محشر بپا نہ ہو گزرے ہیں میری قبر پہ غیروں کے ساتھ وہ
فتنہ اٹھا ہے گردِ پسِ کارواں نہیں

واعظ کو کیا خبر کہ وہ گم کردہ یاد ہے قائل نہ ہو جو اس کا تو بد اعتقاد ہے
برتر سے پوچھتے ہو تو پہلے سے صاد ہے اس بت کی ابتدائی جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنہ آخر زماں نہیں

خمسہ بر غزل

نواب میر احتشام علی خاں صاحب جادو بڑودہ

آج بلبل نہیں کیوں گوش بر آوازۂ گل   کیوں ہیں اوراقِ پریشاں ورقِ تازۂ گل
کس لئے دامنِ گلچیں میں ہے انبارۂ گل   چاہیے کس گلِ عارض کے لئے غازۂ گل
آج بکھرا نظر آتا ہے جو شیرازۂ گل

کسلئے صحنِ گلستاں میں یہ ہر سمت ہے غل   آج مشاطہ بنے نکہتِ زلفِ سنبل
دستِ گلچیں میں ہے گلگونۂ روح بلبل   چاہیے کس گلِ عارض کیلئے غازۂ گل
آج بکھرا نظر آتا ہے جو شیرازۂ گل

مجتمع رہ نہیں سکتا کبھی انبارۂ گل   صفتِ دامنِ گل آپ ہے شیرازۂ گل
لئے پھرتی ہے صبا نکہتِ غمازۂ گل   گوش زد ہوتی ہے ہر دم خبرِ تازۂ گل
فتنہ پرواز ہے کیا حسن پر آوازۂ گل

کیا صفت اس گلِ رخسار کی کوئی لکھے   طبع حیراں ہو خرد مست بنے خوشبو سے
ہیں عیاں قدرتِ صناعِ ازل کے جلوے   یہ چمکتے ہوئے عارض ترے گورے گورے
آئینہ ان کو کہوں یا ورقِ تازۂ گل

دیکھو اشکوں نے جھڑی حد سے سوا باندھی ہے   ہر لڑی عرش کی زنجیر سے جا باندھی ہے
رہ گزر آہ نے بھی تا بکجا باندھی ہے   چرخ تک نالۂ بلبل نے ہوا باندھی ہے
شورش انگیز ہے کیا نکہتِ غمازۂ گل

نہ تو غماز ہے نرگس نہ بنفشہ نازاں   صوتِ قمری ہے نہ رعنائی سروِ بستاں
حیف سوسن کا بھی رنگ اڑ گیا بن بن کے دھواں   کر دیا جورِ خزاں نے یہ چمن کو سنسان

نہ کہیں شہرتِ بلبل ہے نہ آوازۂ گل

آج کیوں مجھ پہ ہے اس درجہ کرمِ لطف و عطا　　کیسے گردن کا بنی ہار یہ خوشبوئے وفا
میں تو اس کو بھی سمجھتا ہوں عدو کا فقرا　　آپ اور ڈالتے یوں ہاتھ میں میرے گجرا
دستِ نازک کو نہیں تاب یہ اندازۂ گل

چیخ اٹھی درد سے یوں بلبلِ زار و غمگیں　　خار کھانا یہ غریبوں پہ مگر خوب نہیں
آسماں پھٹ نہ پڑے تجھ پہ ستم گار کہیں　　چٹکے کلیاں تو مرے دل کو نہ توڑا و گلچیں
ایک مدت سے ہوں میں گوش بر آوازۂ گل

خُم میں صہبائے مقطر ہو اگر دے ساقی　　شورشِ قلب بجھے وہ مے تر دے ساقی
پھول کی جو ہو گلابی وہ ادھر دے ساقی　　وہ مے ہوش ربا جام میں بھر دے ساقی
جس میں سرخی بھی جھلکتی ہو یہ اندازۂ گل

خشک جب ہوتے ہیں الفت کے شجر پھلتے ہیں　　شمع گل ہوتی ہے جل جل کے عجب نقشے ہیں
رنگ اس عشق و محبت کے نئے دیکھے ہیں　　گل جو کھائے تھے کبھی جسم پہ اب پھولے ہیں
سرِ تربت ہے وہی آج یہ خمیازۂ گل

صفحہ کاغذ کا ہو گلزار کا تختا جادو　　سطریں ہو روکش صد زلف چلیپا جادو
بھولے بیٹھے ہیں یہ برتر کا ہے نقشہ جادو　　آج نامہ کسی گلرو کو ہے لکھنا جادو
شاخِ گل خامہ ہو کاغذ ورقِ تازۂ گل

خمسہ بر غزل

استاد عدیم النظیر سید ظہیرالدین حسن ظہیر دہلوی جانشین شیخ محمد ابراہیم ذوق

فرد ہیں یکتا ہیں اپنے فن میں ہم طاق ہیں ہر دوست و دشمن میں ہم
پھرتے ہیں تنہا اسی سے بن میں ہم ہمنوائی کے لیے شیون میں ہم
دیکھتے دم کش نہیں گلشن میں ہم

نکہتِ برباد ہیں گلشن میں ہم ضعف سے ہیں گردِ دامن میں ہم
رکھتے ہیں کیا خاک قصرِ تن میں ہم ہیں تو کیا ہیں اپنے پیراہن میں ہم
کیا سمائیں دیدۂ دشمن میں ہم

کام یہ آساں نہیں جو ہاتھ آئے ہوا گر دعویٰ تو کوئی کر دکھائے
نام پائے جب نشان اپنا مٹائے گھر بنانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
خار ہیں چشم و دلِ دشمن میں ہم

کیا سنائیں لاغری سے حالِ زار نقشِ پائے مور ہیں ہم خاکسار
دوشِ صرصر پر کبھی ہو کر سوار جب ہوئے دنبالہ رو مثلِ غبار
اڑ گئے یک جنبشِ دامن میں ہم

صورتِ بسمل پھڑکتے آپ ہیں ایڑیاں گھسکر سسکتے آپ ہیں
ہم اجل کی راہ تکتے آپ ہیں اپنی آنکھوں میں کھٹکتے آپ ہیں
خوار ہوں کیا دیدۂ دشمن میں ہم

جائے خندہ لب پہ ہے آہ و فغاں　　موت اپنی مانگتے ہیں ہر زماں
پر امید اے بخت برگشتہ کہاں　　زندگانی ہو گئیں ناکامیاں
مر رہے ہیں حسرتِ مردن میں ہم

ہے یہ کھٹکا انتقامِ وصل میں　　دردِ فرقت ہو نہ جامِ وصل میں
دل دھڑکتا ہے پیامِ وصل میں　　جی بجھا جاتا ہے شامِ وصل میں
ہیں چراغِ صبح کچھ دامن میں ہم

طرفہ ہے فصلِ خزاں میں یہ بہار　　لطفِ شادیٔ مرگ کا ہے آشکار
دامنِ گیسو کو کر کے تار تار　　نعشِ دشمن پہ وہ آئے اشکبار
نغمہ آمیزی کریں شیون میں ہم

جسم ہے مجروح آنکھیں لالہ گوں　　آبلے پھوٹے بہا تلووں سے خوں
دیکھنے آئے جو وہ حالِ زبوں　　سحر سے بڑھ کر ہے افسونِ جنوں
کھپ گئے اس چشمِ جادو فن میں ہم

طالبِ نظارۂ عارض جو تھے　　محوِ حیرت ہو کے آئینہ بنے
شکلِ دلکش دیکھتے ہی جم گئے　　جھانکنا کیسا وہیں کے ہو رہے
مردمک ہیں دیدۂ روزن میں ہم

دخل گر تھوڑا جو دو گے غور کو　　جانجاں سمجھو گے اپنے چور کو
دیکھو تم اس اپنے لاٹے طور کو　　دیکھتے ہیں ہم تمھیں تم اور کو
آئینہ ہیں کیا کفِ دشمن میں ہم

رشکِ گلشن ہے تنِ مجروحِ گُل چشمِ پُر خوں بن گئی ہے جامِ مُل
ہم صغیر و کیوں مچائیں شور و غُل کیا نہیں کُنجِ قفس میں فصلِ گُل
خاک اڑانے جائیں کیوں گلشن میں ہم

کیا بتائے وارفتگی سے چور ہیں آپ میں آتے نہیں مجبور ہیں
ظاہرہ اس طرح سے مستور ہیں ہم جہاں ہیں اس سے کوسوں دور ہیں
ہیں مسافر کی طرح مسکن میں ہم

ہم ہیں اپنے وقت کے مرزا و میرؔ ہم کہاں لیں آتشؔ و ناسخؔ دبیرؔ
ایک برتر کیا زمانہ ہے مشیر کیا بنا ہے طرزِ مومنؔ اے ظہیرؔ
طاق ہیں لاریب اپنے فن میں ہم



تصویرِ یاس

تجھ کو اے جلوۂ نیرنگیٔ دنیا دیکھوں
یا ترے دیکھنے والوں کا تماشہ دیکھوں
روِشِ آغازِ نشاطِ طرب افزا دیکھوں
یا سرِ انجامِ غمِ حوصلہ فرسا دیکھوں

کیوں نہ پستی کا گماں ہو مجھے ویرانے پر
نقش مے خانہ ہے ٹوٹے ہوئے پیمانے پر

طرفہ نقشہ ہے جہانِ گزراں کا نقشہ
شکل رہتی ہے مکیں کی نہ مکاں کا نقشہ
دیدۂ غور سے دیکھے جو یہاں کا نقشہ
برگِ گل پر نظر آجائے خزاں کا نقشہ

بستیاں بستی ہیں بے شبہ اُجڑنے کے لئے
شکل جو بنتی ہے بنتی ہے بگڑنے کے لئے

دیکھنا شہرِ خموشاں کی عجب حالت ہے
ظاہرا اس کی جو محفل ہے وہی خلوت ہے
اسکا جو ذرہ ہے وہ آئینۂ عبرت ہے
کہنہ ہے قبر کوئی کوئی نئی تربت ہے

ایک مغموم سی عورت ہے کھڑی تربت پر
بکھرے ہے اشکِ مسلسل کی لڑی تربت پر

لوحِ تربت ہے بصد یاس جو زیبِ آغوش
ہے عیاں چہرۂ مغموم سے اندوہ کا جوش
رنگِ رخ باختہ ہے زلفِ پریشاں بردوش
لب پہ فریاد ہے ایسی کہ اڑے جاتے ہیں ہوش

کہتی ہے کچھ اثرِ نالۂ و فریاد نہیں
اس مرے بھولنے والے کو مری یاد نہیں

آنکھیں کھلتی نہیں یہ خوابِ گراں ہے کیسا
اثرِ نالۂ و فریاد وفغاں ہے کیسا
بے ترے آنکھوں میں اندھیر جہاں ہے کیسا
کچھ تو کہہ حال ترا اے مری جاں ہے کیسا

آئی ہوں ملنے کو سینے سے لگا لے مجھ کو
اپنی آغوشِ محبت میں بٹھا لے مجھ کو

کیا مرے رنج کا تم کو نہیں زنہار خیال کیا مری آہ و فغاں کا نہیں ہوتا ہے خیال
تم تو آرام سے لیٹے رہو میرا ہو یہ حال کہ مری زیست ہے کم بخت مرے جی کا وبال

لٹتے بے مہر نہ بن جاؤ خدارا دیکھو
کوئی دنیا میں نہیں مجھ کو سہارا دیکھو

مجھ کو اب کہتے ہیں منحوس گھرانے والے اور بھی دل کو جلا جاتے ہیں آنے والے
دست کش ہو گئے سب ہاتھ بٹانے والے شکلِ تصویر ہیں برگشتہ زمانے والے

بات کرنے کا کوئی مجھ سے روادار نہیں
کس سے دکھ درد کہوں کوئی بھی غمخوار نہیں

چین ہو گا تمھیں فردوس میں راحت ہوگی جی بہلنے کے لئے حوروں کی صحبت ہوگی
کیا خبر کوئی گرفتارِ مصیبت ہوگی کسی کم بخت کے سر نت نئی آفت ہوگی

پاس تم اپنے بلالو مجھے پیار سے جلدی
اب لگا دو میری کشتی کو کنارے جلدی

زندگی ہجر میں دشوار ہوئی جاتی ہے جان آفت میں گرفتار ہوئی جاتی ہے
حالت اب شام و سحر زار ہوئی جاتی ہے ہائے مٹی مری کیا خوار ہوئی جاتی ہے

ایک تم کیا گئے سب عیش کے سامان گئے
جان بچتی نظر آتی نہیں بے جان گئے

خمسہ بر غزل

نواب ابراہیم علی خاں جلیلؔ بہادر والیٔ ریاست محمد آباد عرف ٹونک

شہرۂ حسن اپنا عام کرو شاہدانِ چمن میں نام کرو
جتنے سرکش ہیں ان کو رام کرو لبِ جو ناز سے خرام کرو
سرو آزاد کو غلام کرو

بجوئے یوں نہ صبح شام کرو پارسائی کو اب سلام کرو
زاہد و آؤ شغلِ جام کرو کام آؤ کسی کا کام کرو
کچھ تو دنیا میں رہ کے نام کرو

قول پر اپنے کچھ قیام کرو روز کیوں وعدہ و پیام کرو
بہتری جس میں ہو وہ کام کرو ایسا جھوٹا نہ قولِ شام کرو
کہ مری نیند ہی حرام کرو

کرتے ہیں مشکلوں کو حل عاقل پر جو مشکل نہ ہو تو ہے مشکل
اس میں کوشش ہے سعیٔ بے حاصل عشق آساں نہیں ہے حضرتِ دل
جو کرو وہ سمجھ کے کام کرو

کچھ گلے ان سے اب نہ ہیں شکوے سارے جھگڑے مٹے چکے قصے
ظلم پر اپنے آپ شرما کے میرا قصہ وہ سنتے ہی بولے
بس چلو ہوچکا تمام کرو

مدعا ہے کہ شہر تین پائیں نیک بد کچھ نہ دھیان میں لائیں
کام دونوں ہی اپنا کر جائیں باوفا ہم وفا سے کہلائیں
تم ستم سے جفا میں نام کرو

عذر بہتر نہیں تلون کے ناز کی کے بھی ہیں عبث حیلے
کیسی غفلت ہیں یہ فقط فقرے نہیں اچھے یہ روز کے وعدے

یوں نہ ٹالو نہ صبح شام کرو

ساغر و بادہ طاق پر رکھو حرمتِ دخت رز کا پاس کرو
توبہ توبہ کرو خدا سے ڈرو آمدِ محتسب ہے بادہ کشو

اب تو موقوف دورِ جام کرو

صورت زلف ہو پریشاں کیا اب تو قائل ہوئے اثر دیکھا
خود کھلے بند آؤگے بخدا میری آہوں کی بندھ گئی ہے ہوا

اپنے پردے کی روک تمام کرو

روبرو ان کے جب گیا برتر اٹھ سکی رعبِ حسن سے نہ نظر
بولے وہ مجھ کو دیکھ کر ششدر تم تو بت بن گئے یہاں آکر

موئنہہ نہیں کیا جو کچھ کلام کرو

بس کتابت کی ہوچکی تکمیل سادہ کاغذ جواب کی ہے دلیل
مفت برتر کی ہوتی ہے تذلیل وہ نہیں دیں گے کچھ جواب جلیل

ترک اب نامہ و پیام کرو

بوقتِ قیامِ مجلسِ اتحادالمسلمین

رہے گی دل ہی دل میں آتشِ ضبطِ فغاں کب تک
سخن بن کر نہ نکلے گا مرے منہ سے دھواں کب تک

رہے گا صورتِ تقدیر برگشتہ جہاں کب تک
زمانہ مدعی دشمن بنے گا آسماں کب تک

نہ ہوگی آشکارا گرمیٔ حسنِ بیاں کب تک
زباں اپنی رہے گی شمعِ محفل کی زباں کب تک

ہوا غفلت کی ہوگی تاکجا وجہ تن آسانی
کوئی حد بھی ہے آخر حسرت خوابِ گراں کب تک

نہ ہوگی چارہ سازی کیا ہمارے دردِ پنہاں کی
پئے تسکین قلبِ مضطرب بے چینیاں کب تک

ہمیں گھٹ کر رہیں گے دہر میں کب تک ہلالِ آسا
اٹھیں گی چار جانب سے ہمیں پر انگلیاں کب تک

ہوا کب تک بندھے گی وحشتِ طرز تغافل کی
اڑیں گی دامنِ مقصد کے اپنی دھجیاں کب تک

ہمارے درد کی پھر کچھ ہوا ہوگی زمانے میں
یونہی رگڑا کریں گے ایڑیاں ہم نیم جاں کب تک

خفا کب تک رہے گا نا خدائے کشتیِ امت
بھنور میں گردشیں دیگا شکستہ بادباں کب تک
کبھی تو رحمت العالمین کو رحم آئے گا
رہیں گے مہرباں اپنے مگر نا مہرباں کب تک

رہیں گے منتشر اوراقِ گل کب تک گلستاں میں
نہیں آتی ہے دیکھیں تو بہارِ بے خزاں کب تک
اثر کب تک نہیں ہوتا ہے دیکھیں آہ و زاری کا
ہمارے نالہ بے صرفہ ہوں گے رائیگاں کب تک

نکل آئے گی آخر کوئی گردش اپنے ڈھب کی بھی
یہ دورِ آسماں لے گا ہمارا امتحاں کب تک
رہے گی خستہ حالی تا کجا بازارِ عالم میں
یونہی بیچیں گے ہم اسلاف کے نام ونشاں کبتک

زمانہ ایک صورت پر رہے گا تا کجا آخر
یہی نقشہ رہے گا انقلابِ آسماں کبتک
سبک رکھے گی یہ مجبوریاں کب تک نگاہوں میں
رہیں گے ہاتھ اپنے یہ تہ سنگِ گراں کبتک

سبق حاصل کریں گے ہم بھی کچھ ایجادِ عالم سے
مزا دے گی بتا آخر پرانی داستاں کب تک

کریں کچھ کام اس دورِ خراب آباد میں ہم بھی
نیا نقشہ دکھا دیں عالمِ ایجاد میں ہم بھی
جو شکلِ اتحاد اپنی محبت آفریں ہوگی
ہماری قدر وقعت اک جہاں کے دلنشیں ہوگی

اگر پابندیٔ احکام ختم المرسلیں ہوگی
ہمارے آستانے پر زمانے کی جبیں ہوگی
کریں خلقِ رسول اللہ کی تقلید اگر دل سے
مصیبت دور ہوگی ہم کو راحت بالیقیں ہوگی

بلند و پست عالم پر نظر رکھیں گے ہم جس دم
ہمارا آسماں ہوگا ہماری پھر زمیں ہوگی
مدد ہمت سے لیں کوشش کریں دل توڑ کر باہم
پڑیں ہرگز نہ اس غم میں چناں ہوگا چنیں ہوگی

گھٹائیں چھارہی ہیں سر پہ ادبار و فلاکت کی
ہری کس طرح کشتِ خاطرِ اندوہگیں ہوگی
ترقی کررہی ہیں غیر قومیں ملک و ملت میں
ہماری اس تنزل کی ترقی کیا یونہیں ہوگی

خدارا اب تو نام اپنے اب و جد کا کرو روشن
یہ شمع تیرہ بختی تا کجا دود آفریں ہوگی

بس اب اٹھ بیٹھو آنکھیں اپنی مل کر خوابِ غفلت سے
تمھارے سامنے صبح مسرت بالیقیں ہوگی
دُرِ مقصود پیدا! جیب اندر جیب خود ہوگئے
متاعِ ابرنیساں آستیں در آستیں ہوگی
بجیں گے چار سوڈنکے تمھارے نام کے ہر دم
اذانِ چیخ گا نہ زیبِ گوشِ اہل دیں ہوگی
اگر چندے یہی ہمدردئ قومی رہی قائم
بہت مشہور بزمِ اتحاد اسلامیں ہوگی
جو اہلِ درد ہیں ان کے دلوں کے پار جائے گی
فغانِ برتر محرموں کہیں بے کار جائے گی

بس ہے سوزِ رشک کی اک ایک چنگاری مجھے
پھونک دیتی ہے کسی کی گرم بازاری مجھے

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب
تجھ کو دی ناز آفرینی ناز برداری مجھے

اٹھ کے محفل سے تری دنیا سے اٹھ جانے کو ہوں
جب سے نظروں میں سبک ہوں جان ہے بھاری مجھے

نوچ کر سب بال و پر صیاد نے چھوڑا تو کیا
ایسی آزادی سے اچھی تھی گرفتاری مجھے

نواسیر اے ہم صفیرانِ عدم ہوں میں ابھی
تم سکھادو کچھ طریقِ گریہ و زاری مجھے

کیا قیامت ہیں طریقِ عشق کی مجبوریاں
الٹی اب کرنی پڑی دشمن کی غم خواری مجھے

جیتے جی بس ہو چکی قیدِ عناصر سے نجات
بڑھ کے ہے زندان سے یہ چار دیواری مجھے

زخمیٔ تیغِ حوادث وہ ہوں مرہم کے عوض
درد پیہم دے رہا ہے چرخِ زنگاری مجھے

عمر سب کاٹی فریبِ دوستی کھا کھا کے ہائے
روح جب نکلی کھلی یاروں کی عیاری مجھے

کردیا فیصلۂ زندگی و مرگ عیاں — حدِ فاصل کے سوا خنجرِ قاتل کیا ہے
مرگِ پروانہ جاں سوز کا اخفا کیسا — وجہ خاموشیٔ شمع سرِ محفل کیا ہے
مجھ کو اندیشہ ہے خود اپنی گراں جانی سے — ورنہ تشویشِ سبک دستیٔ قاتل کیا ہے

کیا کسی پردہ نشیں کا ہے یہ خلوت برترؔ
آج تک بھید کسی پر نہ کھلا دل کیا ہے

طلب گارِ قضا ہے جاں مجوبِ وفا دل ہے — یہ مرنا جس قدر آسان ہے اتنا ہی مشکل ہے
فروزاں شعلۂ رخسار ہے سوزاں مرا دل ہے — نہ ایسا کوئی پروانہ نہ ایسی شمعِ محفل ہے
الٰہی ہے یہ حسن و عشق کی رد و بدل کیسی — جوابِ خندۂ گل شورِ فریادِ عنادل ہے
تمھارے جلوۂ حیرت فزا کے شعبدے یہ ہیں — کبھی خلوت ہے محفل میں کبھی خلوت میں محفل ہے
کنارے سے لگے گی کشتیٔ عمرِ رواں کیونکر — کہ اونچا سر سے اب آبِ دمِ شمشیرِ قاتل ہے
نہ تھا معلوم مرگ و زندگی میں فرق ہے کتنا — کھلا یہ حال مقتل میں کہ خنجر حدِ فاصل ہے
نگاہِ شوق پڑتے ہی تمنائیں پکار اٹھیں — یہ صورت تو کلیجے سے لگا لینے کے قابل ہے
بیاضِ چشمِ دشمن میں ہو کیا صورت کشی اسکی — تری تصویر کے قابل مرا آئینۂ دل ہے
مزا آئے گا اب چلنے کو ہیں چوٹیں برابر کی — وہ محوِ خود نمائی اور آئینہ مقابل ہے

تصور میں مزے ہیں حسرتِ دیدار کے برترؔ
کہ شرمِ ناز مانع ہے نہ پردہ کوئی حائل ہے

پردۂ بیدادِ قاتل کثرتِ بیداد ہے — میرے لاشہ پر ہے چادر زخم دامن دار کی
مثلِ موسیٰ ہر خریدار اس کا پروانہ ہے آج — شمع کوہِ طور گرمی ہے ترے بازار کی
بڑھ گیا سوزِ تپِ ہجراں کا کچھ ایسا اثر — نبض بھی چلنے لگی دو دی ترے بیمار کی

منحصر برترؔ یہ طور و دیر و کعبہ پر نہیں
آنکھ ہو تو ہر جگہ ہیں جلوہ گاہیں یار کی

تجھ کو واعظ مئے سے آخر اس قدر کیوں لاگ ہے
جس سے بجھتی ہے لگی دل کی یہ ایسی آگ ہے
کھل گیا یہ تیزیٔ آمد شدِ انفاس سے
کاروانِ منزلِ ہستی میں بھاگا بھاگ ہے
گیسوئے مشکیں سے اے دل تجھ کو لازم ہے حذر
اس کے کاٹے کا نہیں منتر یہ کالا ناگ ہے
واعظِ بے کیف کا جذبِ نظر دیکھے کوئی
اب تو بوتل میں بجائے بادہ خالی جھاگ ہے
گرم جوشی پر نہ جانا دخترِ رز کی واعظو
دیکھنے میں ہے یہ پانی خاصیت میں آگ ہے
وقتِ گریہ آنکھ سے چنگاریاں چھٹنے لگیں
جائے حیرت ہے کہ پانی میں بھی روشن آگ ہے